Ibn Qayyim al-Jawzīyah, Muḥammad ibn Abī Bakr

al-Jafā' wa-al-wafā

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ

ہر موئے بر تن تو شود آہِ حسرتے ٭ آگاہ گر شوی کہ چہ مقدار غافلی

نسخۂ بے نمونہ

الجفاء والوفاء

جس کو

خاکسار اصغر علی روحی پروفیسر علوم شرقیہ اسلامیہ کالج لاہور

نے

حامیٔ سنت وماحیٔ بدعت حافظ ابن قیم حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ کی

کتاب

الداء والدواء

سے

عربی زبان سے اردو میں ترجمہ کر کے سنہ ۱۳۳۱ ہجری مقدس میں

باہتمام

چوہدری قمر الدین صاحب سیوک سٹیم پریس لاہور میں چھپوایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ علیٰ رسولہ المصطفیٰ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اہل البر والتقیٰ

امابعد اہل بصیرت بخوبی آگاہ ہیں۔ کہ قرآن و سنت نے ہر ایک گناہ کی حقیقت پر انسان کو مطلع کیا ہے اور ریاضتِ نفس کے متعلق ہدایاتِ عالیہ ارشاد کئے ہیں اور بصورتِ مخالفت سخت وعیدیں سنائی ہیں۔ مگر چونکہ اکثر اصحاب گناہ کی مضرتا وراس سے بچنے کے طریق پر بجز پوری تفصیل و تشریح کے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ اسلئے حضرات علمائے اسلام نے بہت سی ایسی کتابیں لکھی ہیں جن کے مطالعہ سے انسان کو نہایت باریک سے باریک گناہوں اور ان کے بُرے نتائج کا علم حاصل ہوتا ہے۔ مگر ہر ایک مصنف کا طریقِ تالیف جُداگانہ اور مسلک علیحدہ ہُوا کرتا ہے۔ منجملہ ان کتابوں کے حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ کی کتاب الدّاء والدّواء ایک ایسی بے نظیر کتاب ہے جسکی ضرورت اس موجودہ اُمت کیلئے تمام ضرورتوں سے مقدم سمجھی گئی ہے۔ اس کتاب میں سب سے بڑھکر جو خوبی ہے۔ وہ یہ ہے کہ فاضل مؤلف کتاب و سُنت سے استدلال سے ایک قدم باہر نہیں چلا۔ اور یہی اس کتاب کی ایک وجہ امتیاز ہے۔ اس کتاب کے مسلسل اور بالاستیعاب پڑھنے سے انسان کو چند ایک اُمور کا یقین ہو جاتا ہے۔

۱) یہ کہ کوئی شخص گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا (۲) یہ کہ کتاب و سنت ہی کی روشنی میں انسان ظلمت سے رہائی پا سکتا ہے۔ (۳) یہ کہ کتاب و سنت کی تفصیل کے لئے علمائے اعلام کی ضرورت ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے۔ کہ ہر ایک شخص اس کا مطالعہ کرے۔ اور کم از کم سال بھر میں ایکدفعہ اسکو نظر سے گذار دیا کرے۔ کیونکہ ایسی ہی کتابیں انسان کو منزلِ مقصود تک لیجا سکتی ہیں۔ اور بس۔ والتوفیق من اللہ تعالیٰ۔

خاکسار اصغر علی روحی مترجم
یکم رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(سوال) ائمۂ دین رضی اللہ عنہم مسئلہ ذیل میں کیا فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص مصیبتِ گناہ میں مُبتلا ہے۔ اور اُسے معلوم ہے کہ اگر وہ یونہی اسی حالت پر قایم رہا۔ تو اسکے دین اور دُنیا ہر دو تباہ ہو جائینگے۔ اور وہ اپنی طرف سے اس امر کی پوری پوری کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح سے اس کو اس مصیبت سے نجات مل جائے۔ مگر اسکی حالت ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اور بھی ردی ہوتی چلی جاتی ہے۔ سو ایسی حالت میں اس مصیبت زدہ کو کیا حیلہ اختیار کرنا چاہیئے اور کس تدبیر پر کاربند ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ اس بلائے عظیم سے رہائی حاصل کرسکے۔ بیّنوا توجروا

(جواب) الحمد للہ اما بعد صحیح بخاری میں بروایت ابو ہریرہؓ مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ما انزل اللہ داءً الا انزل له شفاءً یعنی خدا نے کوئی مرض پیدا نہیں کیا۔ کہ جسکے لئے شفا پیدا نہ کی ہو۔ اور صحیح مسلم میں بروایت جابر ابن عبد اللہؓ مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبرؐ نے فرمایا۔ لکل داء دواء فاذا اصیب دواء الداء برأ باذن الله یعنی ہر ایک مرض کیلئے دوا ہے۔ جب اس مرض کی دوا مل جاتی ہے۔ تو اللہ کے حکم سے صحت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور مسند امام احمدؒ میں اسامہ بن شریکؓ سے مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ان الله لم ينزل داء الا انزل له شفاء علمه من علمه وجهله من جهله یعنی اللہ نے کوئی مرض نہیں پیدا کیا۔ کہ جسکے لئے شفا پیدا نہ کی ہو۔ جسنے اس بات کو سمجھ لیا سمجھ لیا۔ اور جسنے نہ سمجھا نہ سمجھا۔ اور ایک عبارت یوں بھی ہے ان الله لم يضع داء الا وضع له شفاء او دواء الا داء واحدا قالوا يا رسول الله ما هو قال الهرم قال الترمذی هذا حدیث صحیح یعنی اللہ تعالیٰ نے کوئی

مرض پیدا نہیں کیا جسکے لئے شفا یا دوا معین نہ کی ہو۔ مگر صرف ایک مرض (کہ جسکا کوئی علاج نہیں)
صحابہ نے سوال کیا۔ وہ کیا مرض ہے۔ آپنے فرمایا بڑھاپا۔ ترمذی نے اسکو حدیث صحیح لکھا ہے
یہ احادیث امراض قلب۔ روح۔ بدن۔ اور اُن امراض کے ادویہ کو شامل ہیں اور بموجب
فرمان نبوی جہل ایک مرض ہے جس کی دوا علما سے استفسار کرنا ہے۔ چنانچہ سنن ابوداؤد
میں بروایت جابر ابن عبداللہؓ مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم ایک سفر میں تھے۔ کہ ہمارے
ایک ساتھی کے سر میں ایک پتھر آلگا جس سے اس کا سر زخمی ہوگیا۔ اور اسے احتلام ہوگیا
اُسنے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا میں تیمم کر سکتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں تو
پانی کے استعمال پر قادر ہے۔ چنانچہ اُسنے غسل کیا۔ اور مرگیا۔ جب ہم جناب پیغمبر علیہ السلام
کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس واقعہ کی خبر دی۔ تو آپنے فرمایا۔ انہوں نے اُسے ہلاک کر ڈالا
خدا انہیں ہلاک کرے۔ جب یہ نہیں جانتے تھے۔ تو کیوں انہوں نے دریافت نہ کیا۔ کیونکہ اس
قسم کی درماندگی یعنی جہل کا علاج سوال ہے۔ اسکو اتنا ہی کافی تھا۔ کہ وہ تیمم کر لیتا۔ یا زخم پر
پٹی باندھ کر اسپر مسح کر لیتا۔ اور باقی جسم کا غسل کر لیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہل ایک مرض
ہے۔ اور دریافت کر لینا بمنزلہ شفا کے ہے۔ اور خداوند کریم نے قرآن مجید کے بارہ میں فرمایا
ہے کہ وہ شفا ہے۔ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ اور پھر فرمایا وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ
مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ اس آیت میں حرف مِن بیان جنس کے لئے ہے۔ نہ تبعیض
کے لئے کیونکہ قرآن مجید تمامہ شفاء ہے۔ جیسا کہ پہلی آیت سے واضح ہے۔ پس ثابت
ہوا۔ کہ قرآن مجید جہل۔ شک۔ ریب وغیرہ امراض قلب کے لئے شفا ہے۔ کیونکہ خداوند
کریم نے آسمان پر سے قرآن مجید سے زیادہ نافع اور بزرگ اور جامع کوئی شفا نازل نہیں کی۔
اور ازالہ امراض میں اس سے بڑھکر کوئی چیز زیادہ قوی ثابت نہیں ہوتی۔ چنانچہ صحیحین میں ابوسعیدؓ
سے یہ امر ثابت ہو چکا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ صحابہؓ سے چند لوگ کہیں سفر میں تھے۔ کہ وہ
کسی قبیلہ عرب کے ہاں جا اُترے۔ اس قبیلہ کے لوگوں سے انہوں نے حق مہمانداری کی

جہاں نہ کوئی طبیب ملتا تھا اور نہ دوائی۔ تو سورۂ فاتحہ[۱] سے چارہ جوئی کر کے اس کے عجائبات کا مشاہدہ کیا کرتا تھا۔ چنانچہ جب کبھی دوسرے شخص کو بھی کچھ شکایت ہوتی تو میں اُسے یہی علاج بتاتا۔ اور بہتوں کو فی الفور صحت حاصل ہو جاتی۔

فصل مگر یہاں ایک بات نہایت ہی قابل غور ہے جسکو اچھی طرح سے سمجھنا چاہیئے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ تمام اذکار۔ ادعیۂ وغیرہ جن سے چارہ جوئی کیجاتی ہے۔ اور کسی رفع تکلیف کے لئے انہیں پڑھا جاتا ہے۔ سب کے سب فی نفسہٖ مفید اور نافع ہیں۔ مگر بات یہ ہے۔ کہ قابلیت محل اور عامل کا قوی التوجہ ہونا شرط ہے۔ سو جہاں کہیں ان اشیا پر اثر مترتب نہیں ہوگا۔ وہاں عامل کے ضعف تاثیر اور محل (جس پر عمل کیا جاتا ہے) کے عدم قابلیت یا کسی دوسری قوی وجہ کو اس کا مانع سمجھنا چاہیئے۔ اور اس کی مثال بعینہٖ جسمانی امراض اور ادویہ کی سی ہے۔ کیونکہ جسمانی امراض میں بھی بعض اوقات دیکھا جاتا ہے۔ کہ دوا ہرگز مفید نہیں پڑتی۔ اور اسکی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ یا تو طبیعت اس دوا کو قبول نہیں کرتی۔ یا اور کوئی قوی مانع اسکے اثر کو روک دیتا ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے۔ کہ جسقدر طبیعت قبول اثر کے لئے تیار ہو گی اسی قدر مرض کے دفع کرنے میں وہ دوا مفید ثابت ہو گی۔ قلب انسانی کو بھی اسی طرح سمجھ لو جبکہ آیات یا اذکار کو قلب پورے طور پر قبول کر لیتا ہے۔ اور انکا پڑھنے والا صاحب تصرف اور ہمت مؤثرہ کا مالک ہوتا ہے۔ تو یہی نتیجہ ظہور میں آتا ہے۔ اور یہی حال دعا کا ہے۔ کیونکہ وہ دفع مصیبت اور حصول مطلوب کیلئے بروجہ اکمل مؤثر ہوتی ہے۔ مگر باایں ہمہ بعض اوقات اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور اسکے مختلف وجوہ ہو سکتے ہیں۔ یا تو فی نفسہٖ

حاشیہ صفحہ ۴:۔ [۱] حضورؐ اکثر امور میں اپنے تئیں شریک ٹھیراتے۔ تا کہ صحابہ کے لئے موجب رفع شک ہو۔ جیسا آپ بحری حیوان کے گوشت کھانے میں آپ صحابہ سے شریک ہو گئے تھے ۱۲ مترجم

حاشیہ صفحہ ہذا:۔ سورہ فاتحہ کا ایک نام سورہ شفاء بھی ہے ۱۲ مترجم

دعا ہی ایسی ہوتی ہے۔ کہ اسکے پورا ہونے میں کسی گناہ کا ارتکاب لازم ہوجاتا ہے۔ اور اس وجہ
سے خداوند تعالیٰ ایسی دعا کو دوست نہیں رکھتا۔ یا توجہ قلب اور جمعیت خاطر سے دعا نہیں
کی جاتی۔ بلکہ رسماً زبان سے الفاظ نکال دیئے جاتے ہیں۔ اسلئے وہ دعا بعینہٖ اس تیر کیطرح
ہوتی ہے۔ جو ڈھیلی کمان سے پھینکا جاتا ہے۔ کیونکہ ایسا تیر کمان سے نکلکر اس کے
قریب ہی گر پڑیگا۔ یا قبول دعا کیلئے کوئی اور مانع موجود ہوجاتا ہے۔ مثلاً دعا کرنیوالا
حرام روزی کھاتا ظلم و ستم کرتا ہو اور اسکے دلپر گناہوں کا زنگ چڑھا ہو اور غفلت اور
سہو اور لہو و لعب کے تو بر تو پردے پڑے ہوں۔ چنانچہ صحیح حاکم میں جناب پیغمبر علیہ السلام
سے بروایت ابوہریرہؓ مروی ہے ادعوا اللہ انتم موقنون بالاجابۃ واعلموا ان اللہ لا یقبل دعاءً من قلب غافل لاہ
یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کو ایسے حال میں پکارو کہ تمہیں اجابت کا یقین کامل ہو اور یاد
رکھو کہ خدا تعالیٰ ہرگز ایسے دل کی دعا کو قبول نہیں کرتا جو اس کے ذکر سے غافل ہو۔
اور اسکی طرف سے ہٹ کر کسی دوسری طرف لگا ہو (پوری توجہ درکار ہے) سو یہی ایک
مفید دوائی ہمارے پاس موجود ہے جو مرض کو بالکل کھو دیتی ہے۔ مگر دل کا غافل ہونا
(اور صرف زبان پر الفاظ کا جاری ہونا) اس کی قوت تاثیر کو بالکل باطل کر دیتا ہے۔ اور
اسی طرح حرام کھانا دعا کے اثر کو باطل اور کمزور بنا دیتا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں بروایت
ابوہریرہ رضہ مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ایہا الناس ان اللہ طیب لا یقبل الا
طیبا وان اللہ امر المؤمنین بما امر بہ المرسلین فقال یا ایہا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً
انی بما تعملون خبیر۔ وقال یا ایہا الذین اٰمنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم
ثم ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغبر یمد یدہ الی السماء یا رب یا رب
ومطعمہ حرام ومشربہ حرام وغذی بالحرام فانیٰ یستجاب لذلک
یعنی اے لوگو خدا پاک ہے۔ اور وہ پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔ اور اسنے ایمانداروں کو
وہی حکم دیا ہے۔ جو اپنے رسولوں کو۔ کیونکہ وہ رسولوں کو حکم دیتا ہے۔ کہ اے رسولوں کے

کی جائے۔ تو یقیناً ردّ نہیں ہوگی۔ اور خصوصاً جبکہ ادعیۂ ماثورہ یعنی وہ دعائیں جو جناب
پیغمبر علیہ السلام سے علیحدہ علیحدہ امور کیلئے مروی ہیں پڑھی جائیں۔ کیونکہ اُن میں
قبولیّت کی زیادہ توقع ہے۔ یا اس لئے کہ ان میں اسم اعظم پایا جاتا ہے۔ منجملہ ان کے
ایک وہ دعا ہے۔ جو سُنن اور صحیح ابن حبان میں بروایت عبد اللہ بن بُریدہ عن ابیہ مروی ہے
کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے ایک شخص کو یوں کہتے سُنا۔ اللھم انی اسئلك بانی اشھد
انك انت اللہ الذی لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد
آپنے فرمایا کہ اس شخص نے خداوند کریم کے اس اسم کے ذریعہ سے اپنی حاجت طلب کی ہے
کہ جب اسکو کہہ کر حاجت طلب کی جائے تو خدا اس کو پورا کر دیتا ہے۔ اور اگر اسکو پکارا
جائے تو وہ اس پکار کو قبول کرتا ہے۔ اور ایک روایت میں بالفاظ لقد سألت
اللہ باسمہ الاعظم مروی ہے اور صحیح ابی حاتم ابن حبان میں بروایت انس
بن مالک مروی ہے۔ کہ وہ جناب پیغمبر علیہ السلام کیخدمت بابرکت میں بیٹھے تھے۔ اور ایک
شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ اُس نے نماز کے بعد یہ دُعا پڑھی اللھم انی اسئلك بان لك
الحمد لا الہ الا انت المنان بدیع السموات والارض یاذا الجلال والاکرام یاحی یاقیوم
جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اس شخص نے خدا تعالیٰ کے اس اسم اعظم کے ذریعہ حاجت
طلب کی ہے۔ کہ جب اس کو کہہ کر ایسے پکارا جائے۔ تو وہ اس پکار کو قبول کرتا ہے
اور جب حاجت طلب کی جائے۔ تو پوری کر دیتا ہے۔ ان ہر دو حدیث کا امام احمدؒ
نے بھی اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ اور جامع ترمذی میں بروایت اسما بنت یزید مروی ہے
کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اسم اعظم ان آیتوں میں آتا ہے (۱) والٰھکم الٰہ واحد
لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم سورہ آل عمران کا شروع الم اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم
ترمذی نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔ اور مسند امام احمدؒ اور صحیح حاکم میں بروایت ابوہریرہؓ
وانس بن مالکؓ و ربیعہ بن عامر رضی اللہ عنہم مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا۔

۱؎ یعنی ہم نے اسکی دعا کو قبول کیا۔ اور اسکو غم سے نجات بخشی اور ہم یوں ہی ایمانداروں کو نجات دینے والے ہیں ۱۲

یعنی سو جو مسلمان اس دعا کو اپنی مرض کی حالت میں چالیس دفعہ پڑھے گا۔ تو بصورت مرجانے کے شہید مریگا۔ اور اگر تندرست ہو گیا تو گناہوں سے معافی دیا گیا۔ اور صحیحین میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ کہ جب جناب پیغمبر علیہ السلام کو کوئی مصیبت پیش آتی۔ تو آپ یہ پڑھا کرتے تھے لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم لا الہ الا اللہ رب العرش العظیم لا الہ الا اللہ رب السموات ورب الارض رب العرش الکریم۔

اور مسند امام احمدؒ بروایت حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ مروی ہے کہ جناب پیغمبر علیہ السلام مجھے فرمایا کرتے۔ کہ جب تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہو تو کہا کرو۔ لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ وتبارک اللہ رب العرش العظیم والحمد للہ رب العلمین اور نیز مسند امام احمدؒ میں بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ کسی شخص کو کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر یہ کہ دعائے ذیل کے پڑھنے پر اللہ تبارک تعالی اس کے تمام غم و الم کو دور کر دیتا ہے کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم اس دعا کو نہ سیکھ لیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہر ایک شخص پر جو اسے سنے واجب ہے۔ کہ ضبط کرلے۔ وہ دعا یہ ہے۔ اللھم انی عبدک ابن عبدک ابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضاءک اسئلک اللھم بکل اسم ھولک سمیت بہ نفسک او علمتہ احدا من خلقک او انزلتہ فی کتابک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القرآن العظیم ربیع قلبی و نور صدری وجلاء حزنی وذھاب ھمی حضرت ابن مسعود رضہ فرماتے ہیں۔ کہ جب نبی اللہ پر کوئی مصیبت نازل ہوتی تھی۔ وہ کلمہ سبحان اللہ سے خدا کی جناب میں فریاد رسی چاہتا تھا۔ اور ابن ابی الدنیا نے کتاب المجابین فی الدعا میں حسن رحمۃ اللہ سے روایت ہے۔ کہ صحابہ انصار میں سے ایک شخص ابو معلق نام اپنے دوسرے لوگوں کے مال سے تجارت کیا کرتا تھا۔ اور اس پیشہ میں وہ بہت مشہور ہو گیا

فصل

اس موقعہ پر ایک مشہور اعتراض ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ وہ امر جسکے لئے دعا کی جاتی ہے۔ اگر مقدر ہے۔ تو وہ ضروری واقع ہو رہیگا۔ خواہ بندہ دعا کرے یا نہ کرے۔ اور اگر مقدر نہیں۔ تو کبھی واقع نہیں ہوگا۔ خواہ بندہ اس کی بابت سوال کرے یا نہ کرے چنانچہ بعض آدمیوں[1] نے اس اعتراض کی اصلیت کو تسلیم کرکے دعا کو ترک کر دیا۔ اور یہ کہا۔ کہ دُعا بالکل غیر مفید ہے۔ حالانکہ ان سخت جاہلوں بیدینوں کے قول میں خود تناقض موجود ہے کیونکہ اگر ان کے اس مذہب کو عام طور پر مان لیا جاوے۔ تو سلسلہ اسباب کی نفی لازم آتی ہے ہم الزاماً انہیں کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر سیری اور سیرابی مقدر ہیں۔ تو روٹی اور پانی کے بغیر ہی واقع ہو رہینگی۔ تم کھانا کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ اور اگر مقدر نہیں تو کبھی واقع نہ ہونگی تم کھانا کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ اور اسی طرح یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر بچہ ہونا مقدر ہے تو ہو رہیگا۔ خواہ تم زوجہ سے ہمبستر ہو یا نہ ہو۔ اگر مقدر نہیں۔ تو نکاح وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ سو کیا اُس شخص کو عاقل یا انسان کہہ سکتے ہیں؟ نہیں بلکہ ایک حیوان مطلق ہے۔ جو فطرتاً اس سلسلۂ اسباب کے استعمال پر مجبور ہے۔ جس سے اس کی زندگی کا تار و پود قایم ہے۔ بلکہ یہ جاہل حیوانات سے بھی بدتر۔ اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا اور انہیں لوگوں کے قریب قریب وہ لوگ ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ دعا صرف ایک قسم کی عبادت ہے۔ جسپر دُعا کنندہ کو خدا کی طرف سے ثواب ملتا ہے۔ مگر حصول مطلوب سے اس کو کسی قسم کا تعلق نہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک دل و زبان کے ساتھ دعا کرنا یا نہ کرنا عدم تاثیر میں یکساں ہے۔ یعنی دعا اور عدم دعا کو تاثیر کے ساتھ یکساں نسبت ہے۔ اور ہر دو میں کچھ فرق نہیں۔ اور ان سے بھی بڑھکر وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ دُعا صرف ایک قسم کی علامت ہے۔ جو خدا تعالےٰ نے حصول مطلوب کے لئے قایم کر دی ہے۔

[1] واضح ہو کہ سید احمد خان کا یہی مذہب ہے۔ پہلے اسنے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں حقیقت دعا سے صاف انکار کیا ہے۔ بعدازاں جب اسنے اپنے تئیں بعض اعتراض کے جواب سے عاجز پایا۔ تو کھسیانی صورت میں مضمون دعا پر ایک رسالہ لکھا جس میں اس نے مذکورہ بالا مذہب کی پیروی کی ہے ۱۲ مترجم

اور جب وہ خوش ہوجاتا ہے۔ تو اس کی خوشنودی میں ہر ایک قسم کی بھلائی داخل ہے
جس طرح کہ ہر ایک مصیبت اُسکی ناراضگی میں ضروری ہے۔ اور امام احمدرح نے کتاب
الزہد میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ انا اللہ لا الہ الا انا اذا رضیت بارکت ولیس
لبرکتی منتھے واذا غضبت لعنت ولعنتی تبلغ سابع من الولد
یعنی میں ہی ایک حقیقی معبود ہوں۔ کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ جب میں راضی ہوتا
ہوں تو خیر نازل کرتا ہوں اور میری خیر کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اور جب میں ناراض ہوتا ہوں
تو میں لعنت کرتا ہوں (یعنی اپنی رحمت سے محروم رکھتا ہوں) اور میری لعنت ساتویں
پشت تک اپنا اثر دکھاتی ہے۔" اور اس بات پر عقل و نقل۔ فطرۃ اللہ مختلف المذاہب
اقوام کے تجربات شہادت دیتے ہیں۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے تقرب اور اسکی رضامندی کا
حاصل کرنا اور خلقِ خدا کے ساتھ نکوئی اور احسان برتنا ہر ایک قسم کی خیر و منفعت کیلئے
منجملہ قوی اسباب کے سمجھے گئے ہیں۔ برخلاف اس کے خداوند تعالیٰ سے دوری
اور ناراضمندی اور خلق خدا کے ساتھ بُرائی اور عداوت سے پیش آنا ہر ایک قسم کی
شر کا موجب ہیں۔ سو اللہ کی نعمت کے کھینچنے اور مصیبت کے دفع کرنیمیں عبادت۔
تقرب۔ احسان جیسی کوئی چیز نہیں اور خداوند کریم نے قرآن مجید میں دنیا اور آخرت
میں ہر قسم کی خیرات اور سرور کے حصول کو اعمال حسنہ سے اس طرح وابستہ کیا ہے
جس طرح جزا شرط سے اور معلول علت سے۔ اور مسبب سبب سے وابستہ ہوتا ہے۔
اور اسکی مثالیں قرآن مجید میں بیشمار موجود ہیں چنانچہ کبھی تو حکم خبری اور امر شرعی کسی
وصف پر مترتب ہوتا ہے۔ جو اس حکم یا خبر سے مناسب ہو مثلاً فَلَمَّا عَتَوْا عَمَّا نُهُوا عَنْهُ
قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ط یعنی جب انہوں نے اس
امر کے ماننے سے جس سے وہ روکے گئے تھے۔ سرکشی کی تو ہمنے انہیں کہا کہ بندر بن جاؤ
ذلیل اور راندہ۔" فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ یعنی جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا

توہم نے اُن سے انتقام لیا۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا
یعنی مرد یا عورت چور کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ بعوض انکے فعل کے جو انہوں نے کیا۔ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ
وَالْمُسْلِمَاتِ الی قولہ والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات اعد اللہ لھم
مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ط

یعنی مسلمان مردوں اور عورتوں .... اور اللہ کا ذکر کرنیوالے مرد عورتوں کیلئے
خداوند کریم نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے" اور اس قسم کی بہت سی مثالیں
ہیں۔ اور کبھی بصیغۂ شرط وجزا اس مضمون کو ادا کیا جاتا ہے مثلاً اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ
لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ یعنی اگر تم اللہ
سے ڈروگے تو وہ تمہیں غلبہ دیگا۔ اور تمہارے گناہوں کو تم سے دُور کریگا۔ اور تمکو بخشدیگا"
وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ط یعنی اگر وہ صراط المستقیم
پر ٹھیک چلتے تو ہم اُنھیں آبِ کثیر سے سیراب کرتے" فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ط یعنی اگر وہ توبہ کریں۔ اور نماز کو
قایم کریں۔ اور زکوٰۃ دیں۔ تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں" علیٰ ہذا القیاس کبھی لام
علت سے اس مفہوم کو ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً لِيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ
یعنی تاکہ اس کی آیات میں غور کریں۔ اور صاحبانِ عقل نصیحت پکڑیں"۔ لِتَكُوْنُوْا
شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا یعنی تاکہ تم خیر الامم اور لوگوں پر
شاہد ہو۔ اور جناب پیغمبر علیہ السلام تم پر شاہد ہوں" اور کبھی حرف کی جسمیں معنی علت
پائے جاتے ہیں۔ لایا جاتا ہے۔ مثلاً كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ
یعنی تاکہ وہ مال جو دشمنوں سے بلا جنگ ہاتھ آئے۔ تم میں سے مالداروں کے ہی درمیان
نوبت بنوبت نہ دور کرتا رہے۔ اور فقرا اور مساکین محروم رہیں کبھی باسبب کا استعمال
کرتے ہیں۔ مثلاً ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ یعنی یہ بوجہ تمہارے اپنے

سب کچھ معاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح میں آچکا ہے
کہ جو شخص سبحان اللہ وبحمدہٖ دن میں سو دفعہ کہا کرے۔ اس کے گناہ معاف کئے جاتے
ہیں۔ اگرچہ وہ دریائی جھاگ کے برابر ہوں۔ اور ایک شخص جو اہل مکہ سے تھا میرے
پاس آکر بیان کیا۔ کہ ہم جو کچھ کر لیتے ہیں کر لیتے ہیں۔ بعد ازاں غسل کر کے بیت اللہ کا
طواف ایک ہفتہ بھر کرنے سے ہمارے گناہ بالکل جھڑ جاتے ہیں۔ اور ایک شخص کو میں نے
یوں سنا۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ایک شخص گناہ کر کے یوں کہتا
ہے۔ کہ خدایا اپنے گناہ کیا ہے۔ تو میرے گناہ کو بخشدے۔ خدا اسکے گناہ کو بخشدیتا ہے
پھر کسی مدت کے بعد وہ اور گناہ کرتا ہے۔ اور اسی طرح کہتا ہے۔ خداوند کریم فرماتا ہے
کہ میرے اس بندہ نے جان لیا ہے۔ کہ میرا کوئی رب ہے۔ جو گناہ کو معاف اور اسپر
مؤاخذہ کیا کرتا ہے۔ سو میں نے اسکے گناہوں کو بخشدیا۔ وہ جو چاہے کیا کرے۔ اور کہا
کہ مجھے یقین ہے۔ کہ میرا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف اور انپر مواخذہ کرتا ہے۔ اس قسم
کے لوگ ان آیات واحادیث کو جن میں امید رحمت کا ذکر آچکا ہے۔ نہایت زور سے
پیش کیا کرتے اور انپر پورا پورا بھروسہ کر بیٹھتے ہیں۔ اور اگر انہیں ارتکاب گناہ پر کسی قسم
کی سرزنش کی جائے۔ تو جھٹ خداوند کریم کی وسعت رحمت ومغفرت کی آیات واحادیث
سنانے لگتے ہیں۔ چنانچہ اس قسم کے جہال کی اس امر میں عجیب وغریب باتیں سنی جاتی ہیں
مثلاً شعر ذیل انہیں میں سے کسی نے کہا ہے ؎

وکثر ما استطعت من الخطایا ۔۔۔ اذا کان القدوم علی کریم

یعنی جسقدر تو گناہ کر سکتا ہے۔ کر لے۔ جبکہ بالآخر ہمیں ایک بڑے صاحب کرم کے حضور میں[1]

---

[1] یہ شعر بھی اسی قسم کا ہے ؎ تبسطنا علی الآثام لما ۔ رأینا العفو من ثمر الذنوب ۔
یعنی ہم گناہوں پر کھل پڑے جبکہ ہم نے دیکھا کہ عفو نتیجہ گناہ ہے ۱۲ مترجم عفی عنہ خاکسار مترجم کہتا ہے۔ کہ ممکن ہے
داعی کا مطلب یہ ہو۔ کہ اے خدا میں اس عصمت سے پناہ مانگتا ہوں جسکو عام طور پر لوگوں میں عصمت
سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اصلی عصمت کا حاصل ہونا نہایت دشوار امر ہے۔ مگر یہ بات تب ہے۔ کہ الف
لام کو ذہنی قرار دیا جائے ۱۲ مترجم ۔ یہ آخری حاشیہ صفحہ ۲۵ کا غلطی سے لکھا گیا ہے۔ مترجم

مانع خیال کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ یوم عاشورا اور یوم عرفہ کا روزہ صرف
اسی صورت میں کفارہ گناہ ہوتا ہے۔ جبکہ کبائر پر اصرار نہ کیا جائے جس طرح پانچوں
فریضہ نمازیں اور ماہ رمضان کے روزے صغیرہ گناہوں کے لئے صرف اسی صورت
میں کفارہ ہوسکتے ہیں۔ جبکہ کبائر سے اجتناب کیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید سے اس
امر کی تائید ہوتی ہے۔ قال اللہ تعالےٰ اِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ
سَيِّئَاتِكُمْ یعنی اگر تم ان گناہ کبائر سے برطرف رہو گے۔ جن سے تم کو روکا گیا ہے
تو ہم تمہارے صغائر کو تم پر سے ساقط کردیں گے" اس تقریر سے معلوم ہوا کہ کسی امر کو
کسی دوسرے امر کیلئے سبب مقرر کرنا۔ اس امر سے مانع نہیں ہوسکتا۔ کہ اس سبب
کے ساتھ کوئی دوسرا امر بطور سبب کے ملحوظ نہ ہو جن کا مجموعی عمل بہ نسبت ہر ایک کے
جداگانہ عمل کے اقوی اور اکمل سمجھا جاتا ہے۔ اور مسلم یہ ہے کہ جسقدر سقوط گناہ کا
موجب قوی ہوگا۔ اسی قدر اسقاط گناہ کا عمل بھی اعم اور اتم ہوگا۔ اور بعض لوگ
حدیث انا عند حسن ظن عبدی بی فلیظن بی ما شاء پر دھوکا
کھا جاتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ میں (خدا تعالیٰ) اپنے بندے کے ساتھ اس
کے حسن ظن کے مطابق سلوک کرتا ہوں۔ سو وہ جو چاہے میرے حق میں ظن کرے"۔
یعنی جس طرح مجھے سمجھے گا۔ اسی طرح اس کے ساتھ برتاؤ کیا جائیگا۔ مگر یہ بات مسلم ہے
کہ اگر حسن ظن پر ہی مدار ہے۔ تو خدا تعالیٰ کی نسبت حسن ظن صرف نیکوکار آدمی کر سکتا ہے
کیونکہ نیکوکار آدمی صرف ظن رکھ سکتا ہے۔ کہ خداوند کریم اسکو اسکے اعمال نیک کی
جزائے خیر دیگا۔ اور وہ کبھی اپنے وعدہ کے برخلاف نہیں کریگا۔ اور اس کی توبہ کو
قبول فرمائیگا۔ برخلاف اسکے بدکار آدمی جو کبائر پر اصرار کرتا چلا جاتا ہے۔ بوجہ ظلمت
معصیت اور کدورت حرام کے خدا تعالےٰ کے حق میں نیک گمان نہیں کرسکتا
یہ ایک ایسا امر ہے جس کا ہر ایک شخص تجربہ کرسکتا ہے۔ کیونکہ سرکش خدمت سے

کے بارہ میں باطل تھا جس نے تمہیں ہلاک کیا۔ سو تم زیاں کاروں میں سے ہو گئے۔ اِس لئے یہ لوگ جبکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نسبت یہ گمان رکھتے ہیں۔ کہ وہ ان کے اعمال کا علم نہیں رکھتا۔ تو یہ عین جناب باری عز اسمہٗ کے حق میں سوءِ ظن ہے۔ جس نے ان کو ہلاک کر ڈالا۔ اور یہی حالت ہوا کرتی ہے۔ تمام ان لوگوں کی جو خدا تعالیٰ کی صفات کمال اور نعوت جلال کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ اور اسکو ایسے صفات سے متصف سمجھتے ہیں۔ جو اس کی شان کے شایاں نہیں۔ سو ایسا شخص جب یہ یقین کر بیٹھے کہ خدا اسکو جنت میں داخل کر دیگا۔ تو یہ اسکے نفس امارہ کا دہوکا اور شیطان کا فریب ہے۔ بھلا ایسے ظن کو کوئی عاقل حسن ظن کہہ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ناظرین کو اس مقام میں خوب غور کرنا اور اس کی ضرورت پر آگاہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ایک نہایت ضروری امر ہے۔ غور کرو۔ کہ کس طرح یہ بات ممکن ہے۔ کہ کوئی شخص یہ یقین رکھکر کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام حالات کو سنتا دیکھتا اور اس کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اور یقین رکھکر کہ اسے ایک نہ ایک دن اس احکم الحاکمین کے حضور میں اپنے اعمال کا جوابدہ ہونا ہے۔ ایسے امور میں غلطاں و پیچاں رہے جو اس کے غضب کا موجب ہیں۔ اور اس کے احکام کی کچھ پروا نہ کرے۔ اور اسکے حقوق کو بالکل ضائع کر دے۔ اور با ایں ہمہ یہ کہا جائے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں حسنِ ظن رکھتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ اسکے نفس کا دھوکا ہے۔ اور خام خیالی۔

ابو امامہ بن سہل بن حلیف کہتے ہیں۔ کہ میں اور عروہ بن زبیر رضہ جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ تو آپنے اثنائے کلام میں ارشاد فرمایا۔ کہ کاش تم لوگ جناب رسول علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھتے۔ جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ ایک دفعہ بیمار تھے۔ اور میرے پاس چھ یا سات دینار پڑے تھے۔ جناب نے ارشاد فرمایا۔ کہ تم انہیں فی سبیل اللہ تقسیم کر دو۔ ام المومنین رضہ فرماتی ہیں۔

فصل

اور اکثر جاہلوں نے خداوند تعالیٰ کی رحمت عفو۔ کرم پر بھروسہ کرکے اوامر و نواہی
کو ضائع کر دیا۔ اور اس بات کو بھول گئے۔ کہ وہ شدید العقاب ہے۔ اور اس کا عذاب
گنہگاروں سے کبھی باز نہیں رکھا جا سکتا۔ اور یہ یقینی بات ہے۔ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے
عفو پر بھروسہ کرکے گناہوں پر اصرار کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ سخت خدا کا دشمن ہے حضرت
معروف رح فرماتے ہیں۔ کہ خدا کی رحمت کا امیدوار ہونا اور اسکی اطاعت نکرنا رسوائی
اور بیوقوفی ہے۔ اور بعض علما نے کہا ہے۔ کہ وہ خدا جسنے تین درہم کے صدقہ پر اس دنیا
مین قطع عضو کی سزا مقرر کی ہے۔ اسکی نسبت یہ کیسے خیال ہو سکتا ہے۔ کہ وہ آخرت
مین اسی طریق پر گناہوں پر سزا نہ دیگا۔ حضرت حسن کو لوگوں نے کہا کہ ہم آپکو بہت روتے
دیکھتے ہیں۔ تو آپنے فرمایا۔ کہ مجھے ڈر ہے کہ خدا تعالیٰ مجھکو دوزخ میں پھینکدے۔ اور کچھ
پروا نکرے۔ اور ایک شخص نے انسے سوال کیا کہ اے ابو سعید ان لوگوں کی مجلسوں میں
بیٹھنے کی بابت آپ ہمیں کیا فرماتے ہیں۔ جو ہمیں عذاب الہی سے اس قدر ڈراتے ہیں
کہ جس سے ہمارے دل پھٹے جاتے ہیں۔ تو آپنے فرمایا کہ بخدا تمہارا ایسے لوگوں کے
پاس بیٹھنا جنکی تخویف کا نتیجہ امن ہو ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے
جو تمہیں عذاب الہی سے بے غم کردیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ تم لوگ اپنے تئیں خطرہ عذاب
مین مبتلا دیکھو۔ اور صحیحین میں بروایت اسامہ رض مروی ہے۔ کہ انہوں نے جناب پیغمبر علیہ السلام
کو یہ فرماتے سنا یجاء بالرجل یوم القیمة فیلقی فی النار فتندلق
اقتاب بطنه فیدور فی النار کما یدور الحمار برحاه فیطوف به اهل
النار فیقولون یا فلان ما اصابك الم تکن تأمرنا بالمعروف وتنهانا عن المنکر فیقول
کنت آمرکم بالمعروف ولا آتیه وانهاکم عن المنکر و آتیه یعنی قیامت کے دن آدمی پیش کیا جائیگا۔ اور اسکے

نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کون ہیں۔ اُسنے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو آدمیوں کی غیبت اور ان کی
عزت میں طعن کیا کرتے ہیں" اور نیز مسند امام احمدؒ انہیں کی روایت سے مروی ہے کہ جناب
پیغمبر علیہ السلام اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے یا مقلب القلوب والابصار ثبت قلبی علی دینك
فقلنا یا رسول اللہ اٰمنا بك و بما جئت به فهل تخاف علینا
قال نعم ان القلوب بین اصبعین من اصابع اللہ یقلبها کیف یشاء
یعنی اے دلوں اور نگاہوں کے پھیر دینے والے خدا! میرے دل کو دین پر قایم رکھیو۔
ہمنے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ آپ پر اور قرآن مجید پر ایمان لے آئے ہیں۔ کیا۔ آپ کو
ہماری بنسبت کچھ اندیشہ ہے؟ آپنے فرمایا۔ کہ ہاں کیونکہ لوگوں کے دل اللہ تبارک و تعالیٰ
کی دو انگلیوں میں پکڑے ہیں۔ وہ انہیں جس طرح چاہتا ہے۔ پھرا تا ہے" نیز انہیں
کی روایت سے مسند میں یہ حدیث بھی آئی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال لجبریل مالی لم ار میکائیل ضاحکا قط قال ما ضحك منذ خلقت النار
یعنی جناب پیغمبر علیہ السلام نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے۔ کہ میں نے میکائیل
علیہ السلام کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ جب سے دوزخ پیدا ہوا ہے۔
وہ نہیں ہنسے" اور نیز صحیح مسلم میں بروایت انس بن مالکؓ مروی ہے۔ یؤتی بانعم اهل
الدنیا من اهل النار فیصبغ فی النار صبغة ثم یقال له یا بن ادم
هل رایت خیرا قط هل مر بك نعیم قط فیقول لا واللہ یا
رب ویؤتی باشد الناس بؤسا فی الدنیا من اهل الجنة فیصبغ فی
الجنة صبغة فیقال له یا بن ادم هل رایت بؤسا قط هل مر بك شدة
فیقول لا واللہ یا رب ما مر بی بؤس قط ولا رایت شدة قط
یعنی قیامت کو اہل دوزخ میں سے ایسا شخص جو دنیا میں سب سے بڑھکر ناز و نعمت میں رہا تھا
پیش کیا جائیگا۔ اور اسکو آگ میں رنگنے کے بعد پوچھا جائیگا۔ کہ اے ابن آدم! کیا تونے کبھی

مال و دولت کی خوشی اور ناز و نعمت کو بھی دیکھا تھا۔ کہے گا۔ کہ بخدا ہرگز نہیں دیکھا تھا۔ اور اہل جنت میں سے ایسا شخص جو دنیا میں سب سے بڑھکر سختی میں مبتلا رہا تھا۔ پیش کیا جائیگا۔ اور اسکو جنت میں رنگنے کے بعد پوچھا جائیگا۔ کہ اے ابن آدم کیا تو نے کبھی سختی اور مصیبت کو بھی دیکھا تھا۔ وہ کہے گا۔ کہ بخدا کبھی مجھپر نہ تو سختی آئی تھی اور نہ میں نے کوئی مصیبت دیکھی تھی"۔ اور مسند امام احمدؒ میں بروایت براءؓ بن عازب مروی ہے کہ جناب پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ہم ایک انصاری کے جنازہ پڑھنے کو نکلے۔ اور قبر تک پہنچے اور لحد ابھی تیار نہیں ہؤا تھا۔ جناب پیغمبر علیہ السلام بیٹھ گئے۔ اور ہم لوگ بھی حضور کے گرداگرد چپ چاپ بیٹھ گئے۔ حضور کے ہاتھ میں ایک لکڑی تہی جس سے زمین کرید رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور نے سر اٹھایا۔ اور دو تین دفعہ فرمایا۔ کہ عذاب قبر سے اللہ کے ساتھ پناہ مانگو۔ پھر فرمایا۔ کہ ایماندار آدمی جب دنیا کو چھوڑنے اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے لگتا ہے۔ تو آسمان پر سے آفتاب کیطرح چمکتے چہرے والے ملائکہ اہل بہشت کا کفن اور خوشبوئی لیکر حاضر ہوتے ہیں۔ اور مرنیوالے کے حد نگاہ کے فاصلہ تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس شخص کے سرہانے آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اور اس کی روح کو یوں خطاب کرتا ہے۔ اے نفس مطمئنہ[1] خدا کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف باہر نکل۔ پس وہ اس طرح بہ نکلتی ہے۔ جس طرح مشک کے اندر سے پانی کا قطرہ۔ ملک الموت اسکو فی الفور لے لیتا ہے۔ بعد ازاں وہ ملائکہ جو حاضر ہوتے ہیں۔ فی الفور اس کے ہاتھ سے لیکر کفن اور خوشبوئی میں لپیٹ لیتے ہیں۔ جس سے روئے زمین کی تمام خوشبوؤں سے زیادہ خوشبودار ہو جاتی ہے۔ پھر اسکو اوپر کو لے چڑھتے ہیں۔ اور جس گروہ ملائکہ پر گذرتے ہیں۔ اور ان سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ یہ کس شخص کی روح پاک ہے۔ وہ اس شخص کو اس نام سے جس سے دنیا میں اچھے سے اچھا کرکے پکارا جاتا ہے۔ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ فلاں ابن فلاں کی روح ہے۔ آسمان پر پہنچکر وہ اس کے لئے دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں۔

[1] نفس مطمئنہ سے مراد وہ روح مراد ہے جو ذکر الٰہی سے درجہ اطمینان کو حاصل کر چکی ہے ۱۲ مترجم

جاؤں۔ پھر آپنے فرمایا۔ کہ کافر آدمی جب دنیا چھوڑنے اور آخرت کی طرف توجہ ہونے
لگتا ہے۔ تو آسمان پر سے سیاہ چہروں والے ملائکہ ٹاٹ یا کمبل لیکر اُتر آتے ہیں
اور اس کی حد نگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آتا ہے۔ اور اسکے سرہانے
بیٹھ کر یوں کہتا ہے۔ کہ اے نفس خبیث اللہ کے غیظ و غضب کی طرف نکل۔ آپنے
فرمایا۔ کہ اسکی روح اسکے جسم میں متفرق ہو جاتی ہے۔ اور ملک الموت اسکو یوں کھینچتا
ہے۔ جیسے تر اُون کے اندر سے لوہے کی گرم سیخ کھینچی جاتی ہے۔ ملک الموت اسکو
قابو کر لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ ملائکہ جو حاضر ہوتے ہیں۔ فی الفور اُسے لیکر اس کمبل
میں ڈال دیتے ہیں جس سے نہایت سخت گندہ مردار کی سی بدبو آنے لگتی ہے تب
وہ اس کو اوپر کیطرف لے جاتے ہیں۔ اور جس گروہ ملائکہ پر ان کا گذر ہوتا ہے۔ اُن سے
دریافت کرتے ہیں۔ کہ یہ کس شخص کی خبیث روح ہے۔ اور وہ اس شخص کو نہایت
بُرے بُرے نام سے یوں ظاہر کرتے ہیں۔ کہ یہ فلان ابن فلان کی روح ہے
پس اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھولنے کی استدعا کی جاتی ہے۔ اور نہیں کھولا
جاتا۔ اور پھر جناب پیغمبر علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی۔ اللّٰھم ابواب السمآء ولا
ید خلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط یعنی انکے درواز آسمان کے
دروازے نہیں کھولے جائینگے۔ اور نہ جنت میں داخل ہوں گے اسوقت تک کہ اونٹ
سوراخ سوزن سے ہو نکلے" تب خداوند کریم حکم دیتے ہیں۔ کہ اس شخص کا نامہ اعمال
سب سے نچلی زمین کے مقام سجین میں لکھدو۔ پھر اس کی روح پھینک دی جاتی ہے
اور آپنے یہ آیت پڑھی۔ ومن یشرک باللہ فکانما خر من السمآء فتخطفہ
الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق یعنی جو شخص اللہ کے ساتھ
شرک کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ کہ جیسے اس شخص کی جو آسمان سے گر پڑے
اور اسکو جانور اچک لیں۔ یا ہوا اسکو دُور دراز مقام میں اُڑا کر لیجا دے۔ پھر

اس کی رُوح اس کے جِسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ اور دو فرشتے اسکو آکر بٹھلاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے۔ وہ کہتا ہے آہ آہ میں نہیں جانتا۔ پھر اسے کہتے ہیں۔ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے آہ آہ مجھے معلوم نہیں۔ پھر اسے کہتے ہیں۔ یہ شخص (جناب پیغمبر علیہ السلام) جو تم میں مبعوث ہوا تھا۔ کون ہے؟ وہ کہتا ہے آہ آہ میں نہیں جانتا۔ آسمان پر سے ایک پکارنیوالا پکارتا ہے۔ میرے بندہ نے تکذیب کی ہے اسکے لئے آگ کا بستر بچھاؤ۔ اور آگ ہی کا لباس پہنادو۔ اور دوزخ کے رخ اس کے لئے ایک دروازہ کھولدو۔ جہاں سے اسے سخت حرارت اور گرم ہوا لگتی ہے۔ اور قبر اس پر یہانتک تنگ ہوجاتی ہے۔ کہ اس کی پسلیاں باہم مختلط ہوجاتی ہیں۔ اور ایک نہایت بدصورت بدلباس اور بدبودار آدمی اس کے پاس آکر کہتا ہے۔ کہ اس غم و اندوہ پر خوش رہو۔ یہ وہ دن ہے۔ کہ جس کا تجھے وعدہ دیا گیا تھا۔ وہ کہتا ہے تو کون ہے؟ جسکے چہرہ سے آثار شر نمایاں ہیں۔ اور وہ کہتا ہے کہ میں تیرا عمل خبیث ہوں وہ کہنے لگتا ہے۔ کہ اے خدا قیامت قایم نہ کیجو۔ اور مسند امام احمد رح کی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے۔ کہ پھر ایک اندہے بہرے گونگے شخص کو اسپر مقرر کیا جاتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک ایسا گرز ہوتا ہے۔ کہ اگر پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہوجائے۔ وہ اسے مارتا ہے۔ جس سے وہ چکنا چور ہوجاتا ہے۔ اور پھر اصلی حالت پر لایا جاتا ہے اور اسی طرح مارتا رہتا ہے۔ اور وہ اس زور سے چلاتا ہے۔ کہ جس کو ہر ایک چیز سنتی ہے مگر جن اور انسان اس کو نہیں سنتے۔ براء رض کہتے ہیں۔ کہ اس کے بعد دوزخ کے رخ ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اور آگ کا بستر اس کے لئے طیار کیا جاتا ہے۔ اور نیز مسند مذکور میں انہی کی روایت سے یوں لکھا ہے۔ کہ ہم جناب پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ تھے کہ آپنے چند آدمیوں کو ایک جگہ دیکھ کر پوچھا۔ کہ یہ لوگ کیوں جمع ہو رہے ہیں کسی نے جواب دیا۔ کہ قبر کھود رہے ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام یہ سنکر جلدی سے ہو کر صحابہ سے آگے نکل گئے۔

اور اس قبر تک پہنچکر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ میں آپکے سامنے کی طرف ہوکر دیکھنے لگا کہ آپ
کیا کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں۔ اور آنسوؤں سے خاک تر ہو گئی پھر
آپ ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ اخوانی مثل ھذا الیوم فاعتدوا۔
یعنی اے بھائیو ایسے ہی دن کے لئے تمہیں بھی طیاری کرنا چاہیئے" اور مسند میں بروایت
بریدہ رضہ مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام ایکدن ہماری طرف نکلے۔ اور تین دفعہ پکار کر
فرمایا۔ یاایھا الناس اتدرون ما مثلی و مثلکم فقالوا اللہ ورسولہ اعلم
فقال انما مثلی و مثلکم قوم خافوا عدوا یاتیھم فبعثوا رجلا
یترائی لھم فابصر العدو فاقبل لینذرھم وخشی ان یدرکہ العدو
قبل ان ینذر قومہ فاھوی بثوبہ ایھا الناس اوتیتم ایھا الناس اوتیتم ثلث مرات
یعنی اے لوگو میری اور اپنی مثال جانتے ہو کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور آپ بہتر
جانتے ہیں۔ آپنے فرمایا میری اور تمہاری مثال بعینہ ان لوگوں کی سی ہے جو کسی آنیوالے
دشمن سے ڈر رہے ہوں۔ اور وہ کسی آدمی کو دشمن کے دیکھنے کے لئے بھیجیں۔ اور وہ
دشمن کو دیکھ لے۔ وہ انہیں دشمن سے خوف دلانے کے لئے واپس ہوا۔ اور اسے یہ
بھی خوف ہو۔ کہ ان لوگوں کو ڈرانے سے پہلے دشمن انکو آ پائیگا۔ پس وہ وہیں اپنے
کپڑے سے اشارہ کر کے یوں کہنے لگے۔ کہ لوگو دشمن آگیا۔ لوگو دشمن آگیا۔ یہ آپنے تین
دفعہ فرمایا" اور صحیح مسلم میں بروایت جابر رضہ مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا
کل ما اسکر حرام وان علی اللہ عزوجل عھدا لمن شرب مسکرا ان یسقیہ
من طینۃ الخبال وما طینۃ الخبال عرق اھل النار او عصارۃ اھل النار
یعنی ہر ایک سکر پیدا کرنیوالی چیز حرام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے عہد کر لیا ہے۔ کہ جو شخص
کوئی سکر والی چیز پئیگا۔ اس کو طینۃ الخبال پلائیگا۔ صحابہ نے پوچھا طینۃ الخبال کیا ہے؟
آپنے فرمایا کہ دوزخیوں کا پسینہ یا انکی پیپ ہے۔ اور نیز مسند میں بروایت ابوذر رضہ مروی ہے کہ جناب

دوزخ کے درمیان لاکر کھڑا کر کے ذبح کر دیا جائیگا۔ پھر ایک پکارنیوالا پکاریگا۔ کہ اے
اہل جنت اب تمہارے لئے ہمیشگی ہے اور موت نہیں۔ اور اے اہل دوزخ اب تمہارے
لئے ہمیشگی ہے اور موت نہیں۔ سو اہل جنت تو بہت خوش ہونگے۔ اور اہل دوزخ سخت
غمزدہ ہوں گے" اور نیز مسند میں انہی کی نسبت لکھا ہے۔ کہ انہوں نے کہا جو شخص دس
درہم کو کوئی کپڑا مول لے جن میں ایک درہم حرام کا ہو تو جب تک وہ کپڑا اس شخص پر رہتا
ہے۔ خدا اس کی نماز کو قبول نہیں کرتا۔ پھر انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی دونوں انگلیاں
ڈالیں اور کہا۔ کہ خدا کرے یہ بہرے ہوجائیں۔ اگر میں نے جناب پیغمبر خدا علیہ السلام کو
یہی کہتے نہیں سنا۔ اور مسند میں بروایت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ کہ جناب
پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا من ترک الصلوٰۃ سکرًا اربع مرات کان حقًا علی اللہ ان
یسقیہ من طینۃ الخبال قیل وما طینۃ الخبال یا رسول اللہ قال لواعصارۃ اہل جہنم
یعنی جو شخص مستی کی حالت میں نماز کو چار دفعہ چھوڑ دیتا ہے تو ضروری ہوجاتا ہے۔ کہ اللہ
اسکو طینۃ الخبال پلاوے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ طینۃ الخبال کیا چیز ہے فرمایا۔ کہ
اہل جہنم کی پیپ" اور نیز مسند میں انہی کی روایت سے مرفوعًا مروی ہے من شرب
الخمر شربۃ لم تقبل لہ صلوٰۃ اربعین صباحًا فان تاب تاب اللہ علیہ فلا ادری
فی الثالثۃ او فی الرابعۃ قال فان عاد کان حقًا علی اللہ ان یسقیہ من ردغۃ
الخبال یوم القیمۃ یعنی جو شخص ایک دفعہ شراب پیتا ہے۔ خدا چالیس دن اسکی
نماز قبول نہیں کرتا۔ اگر وہ باز آجائے۔ تو اللہ اس کی توبہ کو قبول کرلیتا ہے۔ مجھے
معلوم نہیں کہ تیسری دفعہ یا چوتھی کہ آپنے فرمایا۔ کہ اگر وہ پھر شراب پئے تو ضروری ہے
کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن دوزخیوں کی پیپ پلاویگا" اور نیز مسند میں روایت
ابو موسیٰ مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا من مات مدمنًا بالخمر
سقاہ اللہ من نہر الغوطۃ قیل وما نہر الغوطۃ قال نہر یجری

مِنْ فُرُوْجِ الْمُوْمِسَاتِ يُوْذِيْ اَهْلَ النَّارِ رِيْحُ فُرُوْجِهِنَّ یعنی
جو شخص دایم الخمر مر جائیگا اللہ تعالیٰ اسکو نہر غوطہ سے پلائیگا۔ پوچھا گیا کہ نہر غوطہ کیا ہے
فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے۔ جو بدکار عورتوں کی شرمگاہوں سے نکلتی ہے جس کی بو اہل جہنم
کو ایذا دیگی۔ اور نیز انہی کی روایت سے مسند میں مروی ہے کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے
فرمایا تعرض الناس یوم القیمۃ ثلث عرضات فاما عرضتان فجدال و
معاذیر واما الثالثۃ فعند ذلك تطیر الصحف فی الایدی فاخذ
بیمینه واخذ بشماله یعنی قیامت کو لوگ تین دفعہ پیش کئے جائینگے۔ دو دفعہ
پیش ہونے میں جھگڑا اور عذر کرینگے۔ تیسری دفعہ نامۂ اعمال انکے ہاتھوں میں اُڑ کر
آجائیں گے۔ بعض دائیں ہاتھ سے لینگے۔ اور بعض بائیں ہاتھ سے۔ اور نیز مسند میں
بروایت ابن مسعود رض مروی ہے۔ کہ جناب علیہ السلام نے فرمایا۔ ایاکم ومحقرات
الذنوب فانهن یجتمعن علی الرجل حتی یهلکنه
یعنی چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچو۔ کیونکہ وہ آدمی پر جمع ہو کر اُسے ہلاک کر ڈالتے
ہیں۔ اور آپنے ایسے گناہوں کی مثال یوں فرمائی۔ کہ چند آدمیوں کا گروہ ایک چٹیل
میدان میں جا اترے۔ اور ہر ایک اپنے اپنے کام میں لگ جائے۔ اور اِدھر اُدھر سے
ایندھن اکٹھا کریں۔ حتی کہ وہ بہت سی لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن کریں۔ اور جو
اسمیں ڈالیں اسکو پکا کر نکالیں۔ اور صحیحین میں بروایت ابوہریرہ مروی ہے۔ کہ
جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا یضرب الجسر علی جهنم فاکون اول من
یجوز ودعوی الرسل یومئذ اللهم سلم سلم وحافتیه کلالیب
مثل شوك السعدان ان یختطف الناس باعمالهم فمنهم الموبق
بعمله ومنهم المخدوش ثم ینجو حتی اذا فرغ الله من القضاء
بین العباد واراد ان یخرج من النار من اراد ان یرحم ممن کان

یشہد ان لا الٰہ الا اللہ امر الملئکۃ ان یخرجوہ فیعرفونہ بعلامۃ
اثر السجود و حرم اللہ علی النار ان تاکل من ابن آدم اثر السجود
فیخرجونہم وقد امتحشوا فیصب علیہم من ماءٍ یقال لہ ماء الحیوۃ
فینبتون بنات الجنۃ فی حمیل السیل۔ یعنی جہنم پر پل قایم کیا جائیگا۔ پس
اول گذرنیوالا میں ہونگا۔ رسول اللہ کی پکار اسدن اے اللہ بچائیو بچائیو!
ہوگی۔ اور اسکے دونوں کناروں پر کنڈیاں ہونگی۔ سعدان کے کانٹوں کی طرح
آدمیوں کو انکے اعمال کیموافق اچک لیں گی۔ بعض ان میں سے باندھے جائینگے
اپنے عملوں کے بدلے۔ اور بعض ان سے چھیڑے جائیں گے۔ پھر نجات پائینگے
جب بندوں کے فیصلہ سے اللہ تعالیٰ فارغ ہو جائیگا۔ اور آگ سے اس شخص
کے نکالنے کا جسپر رحم کرنا چاہیگا ارادہ کریگا۔ یعنی جو لوگ لا الٰہ الا اللہ کی
گواہی دیتے تھے۔ تو فرشتوں کو حکم کریگا۔ کہ انکو نکالیں۔ وہ انکو سجدہ کی علامت
سے پہچانیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام کر دیا ہے۔ کہ بنی آدم کی سجدہ کی جگہ
کو جلائے۔ پس نکالیں گے۔ انکو حالانکہ جلے ہونگے انپر پانی بہایا جائیگا جسکو
ماء الحیات کہا جاتا ہے۔ پس سیلاب کے جمع شدہ خس و خاشاک میں جسطرح
دانے اُگ پڑتے ہیں۔ اس طرح وہ اُگ پڑیں گے۔ اور انہی کی روایت سے صحیح مسلم
میں مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا۔ انّ اول الناس یقضی فیہ
یوم القیمۃ ثلثۃ رجلٌ استشہد فاتی بہ فعرفہ نعمہ فعرفہا
فقال ما عملت فیہا قال قاتلت فیک حتی قتلت قال کذبت ولکن قاتلت
لیقال ھو جری فقد قیل ثم امر بہ فسحب علی وجہہ حتی القی فی النار
ورجل تعلم العلم وعلمہ وقراء القران فاتی بہ فعرفہ نعمہ
فعرفہا فقال ما عملت فیہا قال تعلمت فیک العلم وعلمتہ

وقرات فیك القرآن فقال كذبت ولكنك تعلمت ليقال هو عالم
فقد قيل وقرات القرآن ليقال هو قارى فقد قيل ثم امر به فسحب على وجهه
حتى القى فى النار ورجل وسع الله عليه رزقه واعطاه من اصناف
المال كله فاتى به فعرفه نعمه فعرفها فقال ما عملت فيها
فقال ماتركت من سبيل تحب ان ينفق فيها الا انفقت فيها لك قال كذبت
ولكنك فعلت ليقال هو جواد فقد قيل ثم امر به فسحب على وجهه
حتى القى فى النار وفى لفظ فهؤلاء اول خلق الله تسعر بهم النار يوم القيمة
یعنی سب سے پہلے قیامت کے دن تین آدمیوں کا فیصلہ کیا جائیگا۔ اول جس نے
شہادت پائی۔ سو اسکو پیش کیا جائیگا۔ اس کی نعمتوں سے اُسے شناسا کریگا۔ اور وہ
انہیں پہچان لیگا۔ تب خدا تعالیٰ اس سے کہیگا۔ کہ تو نے انکو کیسے استعمال کیا تھا۔ وہ
کہیگا۔ کہ خدایا میں تیرے لئے لڑکر مارا گیا تھا۔ خدا تعالیٰ کہے گا۔ کہ تُو تو اسواسطے
لڑا تھا۔ کہ تجھے لوگ بہادر کہیں۔ سو تجھے ایسا کہا گیا۔ پھر حکم ہوگا۔ کہ اس کو منہ کے بل
کھینچکر دوزخ میں ڈالدو۔ اور عالم آدمی کو جسنے علم سیکھا۔ قرآن پڑھا۔ اور دوسرے کو
پڑھایا۔ پیش کیا جائیگا۔ اس کی نعمتوں سے اُسے شناسا کریگا۔ اور وہ انہیں پہچان لیگا
تب اس سے پوچھا جائیگا۔ کہ تو نے انکو کیسے استعمال کیا۔ وہ کہے گا۔ کہ خدایا میں نے
تیرے لئے علم سیکھا تھا۔ اور قرآن پڑھا یا تھا اور دوسروں کو سکھایا تھا۔ خدا تعالیٰ کہیگا۔
تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو نے تو اس لئے علم سیکھا تھا۔ کہ تجھے لوگ عالم کہیں۔ سو تجھے ایسا
کہا گیا۔ اور تو نے قرآن اسلئے پڑھا تھا۔ کہ تجھے لوگ قاری کہیں۔ سو تجھے کہا گیا۔ پھر حکم
ہوگا۔ کہ اسکو منہ کے بل کھینچکر دوزخ میں ڈالدو۔ اور ایک ایسا آدمی جسکو اللہ تعالیٰ نے
بہت مال و دولت دیا تھا۔ پیش کیا جائیگا۔ اور اسکی نعمتوں سے اُسے شناسا کریگا۔ اور وہ
انہیں پہچان لیگا۔ تب خدا تعالیٰ کہیگا۔ کہ تو نے انکو کیسے استعمال کیا تھا۔ وہ کہیگا خدایا

یعنی جو شخص ناحق کسی کی بالشت زمین دبا لیگا۔ قیامت کے دن اسکو سات زمینوں کے نیچے تک دھسایا جائیگا۔ اور انہی کی روایت سے صحیحین میں وارد ہوا ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا نارکم ھذہ التی توقد بنو آدم جزء واحدًا من سبعین جزءًا من نار جھنم یعنی یہ آگ جسکو تم انسان جلاتے ہو۔ آتش جہنم کے ستر اجزا میں سے ایک جز ہے۔ اور مسند میں بروایت معاذ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ مجھے جناب پیغمبر علیہ السلام نے یوں وصیت فرمائی۔ لا تشرك باللہ شیئا وان قتلت او حرقت ولا تعقن والدیك وان امراك ان تخرج من مالك واھلك ولا تترکن صلوٰۃ مکتوبۃ متعمدًا فان من ترك صلوٰۃ مکتوبۃ متعمدًا فقد برئت منہ ذمۃ اللہ ولا تشرب خمرًا فانہ راس کل فاحشۃ وایاك والمعصیۃ فان المعصیۃ تحل سخط اللہ۔ یعنی اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک بنائیو۔ اگرچہ تو مارا جاوے۔ یا جلایا جائے۔ اور والدین کی ناسپاسی ہرگز نہ کیجیو۔ اگرچہ وہ تجھے یہ حکم دیں۔ کہ تو اپنے مال اور اہل سے علیحدہ ہو جا۔ اور ہرگز کوئی نماز فریضہ عمدًا ترک نہ کیجیو۔ کیونکہ جو شخص عمدًا نماز فریضہ کو ترک کرتا ہے۔ وہ اللہ کے عہد سے نکل جاتا ہے۔ اور شراب نہ پیو۔ کیونکہ شراب تمام بدکاریوں کی جڑ ہے۔ اور گناہ سے بچو۔ کیونکہ گناہ اللہ کا غضب لاتا ہے“

اور اس بارہ میں بیشمار احادیث وارد ہو چکی ہیں۔ اس لئے کسی شخص کو جو اپنی بہتری کا خواہاں ہو۔ ان سے جان بوجھ کر آنکھیں بند نہیں کر لینا چاہیئے۔ اور گناہوں میں نفس کو کھلا چھوڑ کر محض امید اور حسن ظن پر ہی بھروسہ نہ کر لینا چاہیئے۔ ابو الوفا ابن عقیل کہتے ہیں کہ ڈرو اور دھوکا مت کھاؤ۔ کیونکہ تین درہم کے بدلے ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ اور سر سوزن بھر کے برابر شراب پر حد لگائی جاتی ہے۔ اور ایک عورت بلی کے مارنے کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہو گئی اور ایک شخص جس نے مال زکوٰۃ میں خیانت کی تھی۔ اس کو آگ کی چادر پہنائی گئی حالانکہ

وعدہ ہی وعدہ ہے

نقد بہتر زِ نسیۂ بسیار

اور بعض یوں کہتے ہیں۔ کہ نقد مال لے لو۔ اور وعدہ کو چھوڑو۔ اور بعض یوں کہتے ہیں۔ کہ دنیا ایک امر یقینی ہے۔ اور آخرت ظنی۔ اس لئے کسی ظنی امر کے لئے یقینی کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ حالانکہ اس قسم کی باتیں محض شیطان کا دھوکا اور فریب ہے ایسے لوگوں سے چوپائے زیادہ سمجھدار ہیں۔ کیونکہ وہ کسی ضرر دینے والی چیز سے ہٹے رہتے ہیں۔ اور گو انہیں مارا جائے۔ مگر پھر بھی اس چیز کیطرف اقدام نہیں کرتے۔ اور یہ لوگ ایسے امور پر اقدام کرتے ہیں جن میں ان کی ہلاکت پائی جاتی ہے۔ حالانکہ اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اور یہ لوگ کبھی تو اس کو سچ مانتے ہیں۔ اور کبھی اُسے جھوٹ سمجھتے ہیں۔ تو اس قسم کے لوگ اگر اللہ اور اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان لا چکے ہیں۔ تو ان سب سے بڑھ کر حسرت زدہ کوئی نہیں ہوگا۔ کیونکہ باوجود علم رکھنے کے وہ ایسا کرتے ہیں۔ اور اگر اللہ اور اسکے رسول پر ایمان نہ لائے ہوں۔ تو خدا کی رحمت سے دُور پھینک دیئے جاتے ہیں۔

اور اس خیال کے آدمی کا یہ کہنا کہ نقد نسیہ سے بہتر ہے۔ اس صورت میں صحیح ہو سکتا ہے۔ جب کہ نقد اور نسیہ دونوں مساوی ہوں۔ لیکن جس صورت میں نسیہ کہیں بڑھکر ہے۔ تو نسیہ بہتر ہوگا۔ کیونکہ دنیا اور ما فیہا عالمِ آخرت کے مقابلہ میں صرف ایک دم کے برابر ہے

نگہدار فرصت کہ عالم دمے ست ٭ دمے پیش دانا بہ از عالمے ست

اور مسند احمد اور ترمذی میں بروایت مستورد ابن شداد مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ما الدنیا فی الآخرۃ الا کما یدخل احدکم اصبعہ فی الیم فلینظر بم یرجع یعنی دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں ایسی مثال ہے۔ جیسے کوئی شخص دریا میں اپنی انگلی ڈبو دیوے۔ پھر دیکھے کہ اس کی انگلی سے کس قدر پانی آیا ہے

(یعنی دنیا اور آخرت میں یہی نسبت ہے جو انگلی کی تری اور دریا میں) سو اس نقد کو ایسی
نسیہ پر ترجیح دینا بڑی زیان کاری اور سخت جہالت ہے۔ اور جبکہ اس دنیائے دون کو
آخرت سے یہ نسبت ہے۔ تو یہیں سے قیاس کرنا چاہیئے۔ کہ انسان کی دنیوی زندگی
کو عالم آخرت کی زندگی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ اور عاقل آدمی کے لئے ان دونوں
میں سے کونسی زندگی اولیٰ ہے۔ کیا اس مختصر زندگی کا حاصل کرنا اور آخرت کی خیر دائمی
سے محروم رہنا یا اس حقیر و قلیل کا چھوڑنا اور ایک بیش بہا غیر متناہی نعمت کا حاصل کرنا
اور اسی طرح اس دوسرے شخص کا یہ کہنا کہ یقینی کو ظنی کے بدلے نہیں چھوڑنا چاہیئے۔
سخت غلطی ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کو یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ تجھے اللہ تعالےٰ کے وعدُ
وعید اور صداقت نبوی کی بابت شک ہے۔ یا تجھے ان امور پر یقین ہے؟ سو اگر
تجھے یقین ہے۔ تو تیرا اس دنیا کو چھوڑنا ایک ذرہ حقیر صریح الزوال کا چھوڑنا سمجھا جائیگا
اور اگر تجھے یقین ہے تو تجھے ان بڑے زبردست آیات الہیہ میں غور کرنا چاہیئے جو
اس کے وجود۔ قدرت۔ مشیت۔ وحدانیت۔ اور صدقِ رسالت پر دال ہیں۔ اور
جن کی بابت انبیا علیہم السلام نے خبر دیدی ہے۔ ان امور میں تجھے غور کرنا چاہیئے
یا دوسروں سے مناظرہ کرنا چاہیئے۔ تاکہ تجھے یقیناً معلوم ہو جاوے۔ کہ انبیا علیہم السلام
جو خدا کی طرف سے لائے ہیں۔ وہ قطعی حق ہے۔ اور اس عالم کا پیدا کرنیوالا رب
السمٰوات والارض ہے۔ جسکی ذات تمام عیوب و نقصانات سے مبرا ہے۔ اور
انبیا علیہم السلام نے جو اس کی بابت خبر دی ہے۔ اس کے برخلاف ہرگز نہیں
ہو سکتا۔ اور جو شخص اس کے متعلق برخلاف یقین رکھتا ہے۔ وہ اس کی ربوبیت
اور بادشاہت کا انکار اور تکذیب کرتا ہے۔ اور اسے گالیاں دیتا ہے۔ کیونکہ
یہ امر عقل سلیم کے نزدیک محال ہے۔ کہ بادشاہ برحق عاجز یا جاہل ہو۔ جو نہ تو کسی
چیز کو جانتا ہے۔ نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ اور نہ کلام کرتا ہے۔ اور نہ امر و نہی کرتا ہے

اور نہ ثواب دیتا ہے نہ عذاب۔ اور نہ اپنی مرضی سے کسی کو عزتمند بناتا ہے۔ اور نہ
ذلیل کرتا ہے۔ اور نہ اطراف مملکت میں اپنے ایلچی بھیجتا ہے۔ اور نہ احوال رعایا کی خبر
رکھتا ہے۔ اور انہیں یوں ہی بلا نگرانی کھلا چھوڑ دیتا ہے۔ اور جبکہ یہ باتیں انسانی
بادشاہت کے سلاطین کے شایانِ شان نہیں تو بادشاہ حقیقی کی ذات کے لئے
کیونکر زیبا ہو سکتی ہیں۔ اور اگر انسان اپنی ابتدائی حالت نطفہ سے حالت کمال
انسانی تک پہنچنے میں غور کرے۔ تو اسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ جس خدا نے اسے ایک
حالت سے دوسری حالت تک مختلف اوضاع و اطوار میں پھرا کر درجۂ کمال تک
پہنچایا ہے۔ اسکے شایان شان نہیں۔ کہ وہ اسے یونہی مہمل چھوڑ دے۔ اور اس کو امر
ونہی وحقوق اللہ وحقوق العباد اور ثواب وعقاب کا پابند نہ کرے۔ اور پورے غور
سے انسان کام لے۔ تو اُسے واضح ہو جائیگا۔ کہ تمام اشیا جن کو وہ دیکھتا یا نہیں دیکھتا
ہے۔ سب کے سب توحید۔ نبوت۔ معاد صداقت قرآن پر دال ہیں۔ اس استدلال
کو ہم نے نہایت واضح طور پر اپنی کتاب ایمان القرآن میں آیہ فلا اقسم بما تبصرون
انہ لقول رسول الکریم کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اور کسی قدر اسی استدلال
کو ہم نے بذیل آیہ وفی انفسکم افلا تبصرون قلم بند کیا ہے۔ انسان کی اپنی
ذات وجود خالق اور اس کی توحید اور صداقت رسالت اور صفات ذات باری
پر دلیل ناطق ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ آخرت کو دنیا کے بدلے کھو دینے والا
شخص بالتصدیق بالیقین اور تکذیب و شک یعنی ہر دو حالت میں سخت دھوکا میں پڑا
ہوا ہے۔ اور اگر کوئی شخص یوں اعتراض کرنے لگے۔ کہ آخر اور جنت و نار کی یقینی تصدیق
کر لینے کی صورت میں کوئی شخص عمل سے کیسے پیچھے رہ سکتا ہے۔ حالانکہ فطرت
انسانی اس بات پر جاری ہے۔ کہ اگر انسان کو یقیناً معلوم ہو۔ کہ اس کو کل بادشاہ کے
حضور میں عذاب بھگتنے یا کسی قسم کی عزت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہونا ہے تو وہ

راہ میں مجاہدت کی۔ وہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہو سکتے ہیں دیکھو اس آیت میں خداتعالیٰ نے ایمان ہجرت مجاہدت کی بجا آوری پر امید رحمت کو موقوف رکھا ہے اور مغرور لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ کی رحمت کے امیدوار وہ لوگ ہو سکتے ہیں۔ جو حقوق اللہ کو ضائع کر دیں۔ اور اس کے حکموں کو معطل چھوڑ دیں۔ اور اللہ کے بندوں پر ظلم اور ستم کریں۔ اور حرام کاریوں میں بڑے دلیر ہوں ؎

این خیال ست و محال ست وجنوں

حق یہ ہے کہ امید اور حسن ظن صرف انہی اسباب کی پابندی کی صورت میں صحیح ہو سکتے ہیں جن کو خداوند کریم نے شریعت حقہ میں اپنی حکمت کاملہ سے تجویز فرمایا ہے۔ سو آدمی کو انہی اسباب کے رو سے حسن ظن اور امید قایم کرنا چاہیئے۔ اور انہی کو منفعت آخرت کا وسیلہ بنانا چاہیئے اور دیگر مخالف اسبابا سے جو ان کا اثر کو باطل کر دیں انکو روکنا چاہیئے ؛

اس امر کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ جو شخص کسی چیز کا امیدوار ہو تاہے۔ اس کی امید کیلئے تین امور لازم ہیں۔ اوّل جس چیز کی امید رکھتا ہے اس کی محبت۔ دوم اس چیز کے جاتے رہنے کا خوف۔ سوم بقدر طاقت اس کے حصول کے لئے کوشش۔ اور ایسی امید جس میں ان تینوں امور میں سے کوئی امر نہ پایا جائے وہ محض ایک قسم کی آرزو وہوس ہے۔ اور امید اور آرزو میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ امیدوار شخص ہمیشہ ڈرتا رہتا ہے۔ اور اپنی روش خلص کا پابند رہتا ہے۔ اور جب اُسے اس چیز کے جاتے رہنے کا خوف پیدا ہو۔ تو وہ اس کے لئے جلدی کرتا ہے۔ اور جامع ترمذی میں بروایت ابو ہریرہ رضؓ مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِل اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ ۔ یعنی جو شخص ڈرتا ہے۔ وہ رات ہی سے چل پڑتا ہے۔ اور جو شخص رات ہی سے چل

پڑے وہ منزل مقصود پر جا پہنچتا ہے۔ سنو! کہ اللہ کا مال تجارت گراں قیمت ہے۔ سنو!
کہ اللہ کا مال تجارت جنت ہے۔ خدا تعالیٰ نے جس طرح کہ اعمال صالحہ لئے لوگوں کو بھی
امید کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح اُن کے لئے خوف کا بھی حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔
کہ امید اور خوف اسی صورت میں مفید ہو سکتے ہیں۔ جبکہ ان کے ساتھ اعمال کی پابندی
بھی ہو جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ
وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ وَ
الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ
فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ یعنی جو لوگ کہ اللہ کے خوف سے ڈرتے
ہیں۔ اور اس کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اپنے پروردگار سے شرک نہیں کرتے۔ اور جو
دیتے ہوئے سے دیتے ہیں۔ اور ان کے دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں۔ کہ وہ اپنے رب
کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی لوگ ہیں جو نیک کاموں کی بجا آوری میں جلدی کرتے ہیں۔
اور انکی طرف سبقت ڈھونڈتے ہیں۔ اور جامع ترمذی میں بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا
مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں۔ کہ میں نے جناب پیغمبر علیہ السلام سے اس آیت کی بابت سوال
کیا کہ آیا وہ لوگ یہ ہیں۔ جو شراب پیتے اور زنا کرتے اور چوری کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا
لا یا ابنۃ الصدّیق ولکنّھم الذین یصومون ویصلّون ویتصدّقون و
یخافون ان لا یتقبل منھم اولئک یسارعون فی الخیرات۔
یعنی اے صدیق کی بیٹی یوں نہیں بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو روزہ رکھتے نماز پڑھتے
اور صدقہ دیتے اور اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں انکی نیکیاں ایسا نہ ہو کہ مقبول
نہ ہوں یہی لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ اور بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی
ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے اہل سعادت کی یوں تعریف فرمائی ہے۔ کہ وہ نیکی کرتے ہیں اور ڈرتے
ہیں۔ اور اہل شقاوت کی نسبت فرمایا۔ کہ وہ گناہ کرتے ہیں۔ اور عذاب سے بے غم رہتے

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں آنکھوں کے نیچے بہت رونے سے کہنہ تسمہ کی شکل میں جیسے نظر آتے تھے۔ اور ابوذر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ کاش میں درخت ہوتا۔ جو کاٹ دیا جاتا۔ اور مجھے یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ میں نہ پیدا کیا جاتا۔ اور آپکے سامنے کچھ نفقہ پیش کیا گیا۔ تو آپنے فرمایا۔ کہ ہمارے پاس ایک بکری ہے۔ جسکو ہم دوہتے ہیں۔ اور اونٹ ہیں۔ جنپر نقل و حرکت کرتے ہیں۔ ایک خدمتگار ہے اور ایک فراخ گدڑی ہے۔ اور مجھے ان اشیاء کی بابت قیامت کے دن حساب دینے کا خوف ہے۔ اور تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ایک رات سورۂ جاثیہ پڑہی۔ جب آیت أم حسب الذين اجترحوا السيئات ان نجعلهم كالذين آمنوا وعملوا الصالحات پر پہنچے تو اسکو بار بار دوہرایا کئے۔ اور روتے روتے صبح کردی۔ اور ابو عبیدہ ابن جراح فرماتے۔ میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ میں دنبہ ہوتا جسے میرے گھر کے لوگ ذبح کرکے کھا جاتے اور میرا شوربا پی جاتے۔ الغرض اس قسم کے سینکڑوں نظائر جن کا ذکر موجب طوالت ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ایک باب قایم کیا ہے جس کا عنوان یہ ہے۔ باب خوف المؤمن ان يحبط عمله وهو لا يشعر یعنی اس باب میں۔ کہ ایماندار آدمی کے اس خوف کا بیان ہے کہ کہیں اس کے اعمال اکارت ہوجاویں۔ اور وہ اس سے بے خبر ہو۔ ابراہیم تیمی کہتے ہیں۔ کہ میں اپنے کسی قول کو اپنے فعل پر پیش کرکے ڈرا کرتا ہوں۔ کہ کہیں میں جھٹلا دیا جاؤں یعنی مجھے یوں کہا جائے۔ کہ تیرے قول اور عمل تطابق نہیں۔ ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبر کے تیس صحابہ سے ملاقات کی۔ سب کے سب اپنی نسبت نفاق ہونیکا خوف رکھتے تھے کوئی ان میں سے ایسا نہیں ہوتا تھا۔ جو یہ کہے۔ کہ وہ جبرائیل میکائیل کا سا ایمان رکھتا ہے اور حسن کی نسبت کہتے ہیں۔ کہ وہ فرمایا کرتے کہ ایماندار نفاق سے ڈرا کرتا ہے اور نفاق سے منافق بیخوف رہتا ہے۔ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حذیفہ سے فرمایا۔ کہ میں

تجھے اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے تیرے سامنے میرا نام منافقوں
میں نہیں لیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اور نہ میں تیرے بعد کسی کو پاک باطن کہہ
سکتا ہوں۔ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے سُنا۔ کہ حذیفہ کا مقصود
یہ نہیں تھا۔ کہ آپکے سوا دوسرا کوئی نفاق سے بری نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے اس جواب سے
اس قسم کے دوسرے لوگوں کے سوالات کا سلسلہ بند کر دیا۔ کیونکہ جو شخص ان سے آیندہ
اس قسم کا سوال کرتا۔ تو انہیں اس کو بھی ایسا ہی جواب دینا پڑتا۔ تو پھر یہ سلسلہ ختم
نہ ہوتا۔ میں کہتا ہوں اسی واقعہ سے ملتا جلتا۔ جناب پیغمبر علیہ السلام کا وہ فرمان ہے
جب آپنے ایک سائل کے لئے ستر ہزار بلا حساب جنت میں جانیوالے آدمیوں میں داخل
ہونیکے لئے دعا فرمائی تھی۔ اور ایک دوسرے سایل کو جس نے یہی سوال کیا تھا۔ فرمایا
کہ عکاشہ تجھ سے پہلے اس دولت کا مالک ہو چکا ہے۔ کیونکہ اس جواب سے جناب پیغمبرؐ
کا یہ مطلب نہیں تھا۔ کہ اور لوگوں کی نسبت صرف عکاشہ ہی اس دولت کا زیادہ مستحق ہے
بلکہ یہ مطلب تھا۔ کہ اگر اس دوسرے سائل کے لئے بھی دُعا فرماتے تو ایک اور اُٹھ کھڑا
ہوتا۔ اور اس طرح سے دیکھا دیکھی کئی ایک غیر مستحق بھی سوال کرنیکو طیار ہو جاتے۔
سو ایسے ہی جواب مناسب تھا۔ واللہ اعلم

فصل

اب ہم اپنے اصلی مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یعنی اس مرض کا جس سے
کسی آدمی کی دنیا اور آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔ علاج بتاتے ہیں۔
سو جاننا چاہیئے۔ کہ گناہ اور خدا کی سرکشی کرنا واقعی ضرر دینے والی چیزیں ہیں۔ اور دلوں
میں ان کا ضرر بھی اثر پیدا کرتا ہے۔ جو بدن انسان میں زہر۔ اور جس طرح مختلف قسم کی زہر
سے ضرر مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح مختلف گناہوں کا ضرر بھی مختلف مدارج رکھتا ہے۔
اور دنیا اور آخرت کی کوئی برائی یا بیماری ایسی نہیں جس کا سبب گناہ اور سرکشی نہ ہو۔
آخر غور کرو۔ حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام جنت سے دنیا کی طرف کیوں نکالے گئے تھے

سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اور نیز مسند میں مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا
یُوْشِکُ اَنْ تَدَاعٰی عَلَیْکُمُ الْاُمَمُ مِنْ کُلِّ اُفُقٍ کَمَا تَدَاعٰی
الْاَکَلَۃُ عَلٰی قَصْعَتِہَا۔ قلنا یا رسول اللہ امن قلّۃ بنا یومئذ قال انتم
یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل تنزع المھابۃ من قلوب
عدوّکم وتجعل فی قلوبکم الوھن قالوا وما الوھن قال حبّ الحیاۃ وکراھۃ الموت
یعنی عنقریب دوسری قومیں چاروں طرف سے تم پر آ پڑینگے جسطرح کھانیوالے ایک
رکاب پر آ جمع ہوتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا حالت ہمیں کمی تعداد
کی وجہ سے پیش آئیگی۔ فرمایا تمہاری تعداد بہت ہوگی۔ لیکن سیلاب کے خس و
خاشاک کی طرح ہوگی۔ دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت اُٹھ جائیگی۔ اور تمہارے
دلوں میں سُستی آجائیگی۔ ہمنے عرض کیا کہ سستی سے کیا مراد ہے؟ آپنے فرمایا۔ دنیا
کی زندگی کی محبت اور موت سے نفرت"۔ اور مسند میں بروایت حضرت انس رض
مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا لَمَّا عُرِجَ بِیْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَّہُمْ
اَظْفَارٌ مِّنْ نُحَاسٍ یَخْمِشُوْنَ وُجُوْہَہُمْ وَصُدُوْرَہُمْ فَقُلْتُ مَنْ ہٰؤُلَاءِ
یَا جِبْرِیْلُ؟ فَقَالَ ہٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ
وَیَقَعُوْنَ فِیْ اَعْرَاضِہِمْ یعنی معراج کی رات کو مجھے ایک ایسی قوم پر گذر
ہُوا جن کے تانبے کے ناخن تھے۔ جنسے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو کھرچ رہے
تھے۔ میں نے پوچھا جبرائیل یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں
کی غیبت کیا کرتے تھے۔ اور ان کی عزتیں بگاڑا کرتے تھے" اور جامع ترمذی میں
بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا یخرج
فی آخر الزمان قوم یختلون الدنیا بالدین ویلبسون للناس مسوک
الضأن من اللین السنتہم احلیٰ من السکر وقلوبہم قلوب الذیاب

کرتا ہے۔ جو ان کے پہلے لوگوں میں کبھی نمودار نہ ہوئیں تھیں۔ اور جب کوئی قوم ماپ
تول میں دغا کرتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں قحط ظلم اور حکام کی مصیبتوں میں مبتلا کرتا
ہے۔ اور جب کوئی قوم اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتی۔ تو بارانِ رحمت سے محروم
رکھے جاتے ہیں۔ اور اگر دوسرے حیوانات روے زمین پر نہ ہوتے۔ تو ان پر کبھی بارش
نازل نہ ہوتی۔ اور جب کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے۔ تو اللہ تعالےٰ انکے دشمنوں کو
ان پر مسلّط کر دیتا ہے۔ اور وہ ان کے ہاتھ سے سب کچھ چھین لیتے ہیں۔ اور
جب اس قوم کے ائمہ کتاب اللہ کے مطابق عامل نہیں ہوتے۔ تو خدا ان پر خوفِ اعدا
کو غالب کر دیتا ہے۔ اور مسند میں بروایت عبد اللہ بن مسعود رضہ مروی ہے کہ جناب
پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ اِذَا عَمِلَ الْعَامِلُ فِیْہِمْ بِالْخَطِیْئَۃِ
جاءہ الناھی تعزیرًا فقال یا ھذا اتق اللہ فاذا من الغد جالسہ وواکلہ
وشاربہ کانہ لم یرہ علی خطیئۃ بالامس فلما رای اللہ عز وجل ذلک
منھم ضرب بقلوب بعضھم علی بعض ثم لعنھم علی لسان نبیھم داؤد وعیسی
ابن مریم ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون والذی نفس محمد بیدہ
لتأمرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر ولتأخذن علی ید السفیہ و
لتاطرنہ علی الحق اطرًا اولیضربن اللہ بقلوب بعضکم علی بعض
ثم لیلعنکم کما لعن بھم
یعنی پہلی امتوں کا دستور تھا۔ کہ جب کوئی شخص کسی قسم کا گناہ کیا کرتا۔ تو دوسرا اس کو
بطور تعزیر منع کرتا اور اسے کہتا۔ کہ اے فلان اللہ سے ڈر! جب دوسرا دن ہوتا
تو اس کے ساتھ میل جول اور خورد و نوش کیا کرتا جس سے معلوم ہوتا کہ اس نے
اس کو گناہ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انکی اس حالت کو دیکھا تو ان
میں بعض کے دلوں کو بعض کے ساتھ یکساں کر دیا۔ (یعنی سب گمراہ ہو گئے) پھر

بلکہ رہنا پسند نہیں کرونگا۔ اور ابن الدنیا نے مناقبِ عمر رضی اللہ عنہ میں لکھا ہے۔ کہ آپکے زمانہ خلافت میں زلزلہ آیا۔ تو آپنے اپنا ہاتھ زمین پر مارا۔ اور فرمایا کہ تجھے کیا ہُوا۔ اگر یہ زلزلہ قیامت کا زلزلہ ہوتا۔ تو تُو نے اپنی خبریں سُنائی ہوتیں[1]۔ میں نے جناب پیغمبر علیہ السلام کو یہ کہتے سُنا۔ کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو زمین کی ایک ایک بالشت بھی حالات اور اخبارات کی بابت بولیگی۔ اور امام احمدؒ نے صفیہ سے نقل کیا ہے۔ کہ خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ میں زلزلہ آیا۔ آپنے فرمایا لوگو تمہارے گناہ کا نتیجہ تمہیں جلد نظر آگیا۔ اگر پھر ایسا ہُوا تو تم مجھے اپنے اندر موجود نہیں پاؤگے کعب الاحبار کہتے ہیں۔ کہ زلزلہ زمین میں اسوقت آیا کرتا ہے۔ جب اس میں لوگوں کے گناہ بڑھ جاتے ہیں۔ اور وہ خوفِ خدا سے کانپنے لگتی ہے۔ اور خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں میں ایک فرمان شائع کیا جس کا مضمون یہ تھا "زلزلہ تمام شہروں میں اللہ کی طرف سے صورتِ عذاب میں بندوں پر بھیجا جاتا ہے۔ ہمنے تمام شہروں کے لوگوں کو لکھا ہے۔ کہ وہ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ کو شہر سے باہر جمع ہوں۔ اور جسکے پاس کچھ بھی چیز ہو۔ نکلنے سے پہلے صدقہ کرے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى اور جناب ربّ العزت رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ کہہ کر التجا کرو۔ اور نیز وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ اور نیز لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کہکر اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اور مسند امام احمدؒ میں بروایت ابن عمرؓ مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام کو میں نے یہ فرماتے سُنا اِذَا ظَنَّ النَّاسُ بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ وَتَبَايَعُوْا بِالْعِيْنَةِ وَاتَّبَعُوْا اَذْنَابَ الْبَقَرِ وَتَرَكُوا

[1] آیہ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا کی طرف اشارہ ہے۔ مترجم

الجہاد فی سبیل للہ انزل اللہ بہم بلاءً یرفعہ عنہم حتی یراجعوا دینہم یعنی جب لوگ درہم اور دینار سے بخل کرینگے۔ اور بیع عینہ کرینگے[1] اور بیلوں کے پیچھے لگیں گے۔ اور خدا کے راہ میں جہاد چھوڑ دینگے۔ تو خدا انپر مصیبت نازل کریگا اور جب تک کہ وہ اپنے دین کی طرف نہ لوٹیں۔ ان سے اس مصیبت کو دور نہ کریگا ابو داود نے بہی باسنادِ حسن اس حدیث کو روایت کیا۔ اور ابن ابی الدنیا بروایت ابن عمر ذکر کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ ہم یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ کوئی شخص اپنے درہم و دینار کا اپنے مسلمان بھائی سے زیادہ مستحق نہیں۔ اور میں نے جناب پیغمبر علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا۔ اِذا ضَنَّ النَّاسُ بِالدینار والدرھم وتبایعُوا بِالعِینَۃِ اور حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ بیع عینہ بخدا اللہ کیطرف سے بندوں پر ایک قسم کا عذاب ہے۔ اور بنی اسرائیل کے ایک نبی نے بُخت نصر کے ظلم و ستم کو دیکھکر کہا کہ خدایا تو نے ہمارے برے اعمال کے بدلے ہمپر ایک ایسے شخص کو تسلط کیا ہے جسے نہ تو تیرا خوف ہے۔ اور نہ ہماری حالت زار پر رحم کرتا ہے۔ اور بخت نصر نے دانیال پیغمبر سے کہا۔ کہ میں تیری قوم پر کیسے غالب آگیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ تو اپنے گناہِ عظیم اور میری قوم کے اپنی جانوں پر آپ ظلم کرنیکی وجہ سے۔ اور ابن ابی الدنیا بروایت عمار بن یاسر اور حذیفہ رض ذکر کرتے ہیں۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ اللہ عز وجل اِذا ارادَ بِالعبادِ نقمۃً اماتَ الاطفال واعقم ارحام النساء فتنزل النقمۃ وَلیسَ فیہم مرحوم یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ جب بندوں کو گناہ پر عذاب کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کی صورت یہ ہے کہ بچوں کو ہلاک کرتا ہے۔ اور عورتوں کو بانجھ رکھتا ہے پس اس حال میں انپر عذاب نازل ہوتا ہے کہ ان میں سے رحم کسی پر نہیں کیا جاتا۔ اور مالک ابن دینار رح کہتے ہیں

[1] بیع عینہ کی صورت یوں ہے۔ کہ کوئی شخص دوسرے کے پاس کچھ سامان بیس روپیہ سے مدت مقررہ تک بیچے۔ پھر اسی سامان کو تھوڑا مول دیکر خرید لے ۱۲۔ مترجم

کہ میں نے علمِ حکمت میں پڑھا ہے۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ میں بادشاہوں کا بادشاہ خدا ہوں۔ اور سلاطین کے دل میرے ہاتھ میں ہیں۔ جو لوگ میری اطاعت کرتے ہیں۔ میں ان پر ان سلاطین کو مہربان بنا دیتا ہوں۔ اور جو لوگ میری سرکشی کرتے ہیں۔ ان پر سلاطین کو ظلم کے لئے مقرر کر دیتا ہوں۔ سو تم بادشاہوں کو گالیاں نہ دو۔ اور اُن سب سے بڑے مہربان[1] کی طرف رجوع کرو ؎

بقومے کہ نیکی پسندد خدا — دہد خسروے عادلِ نیک رائے

چو خواہد کہ ویران کند عالمے — نہد ملک در پنجۂ ظالمے

اور مراسیلِ حسن میں مذکور ہے۔ کہ جب اللہ کسی قوم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے۔ تو انکا انتظام حلیم لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ اور فَے (یعنی وہ مال جو کفار سے بغیر لڑے مسلمانوں کے ہاتھ آئے) کریم اور جوانمرد آدمیوں کے ہاتھ ڈالدیتا ہے۔ اور جب کسی قوم کے ساتھ بُرائی کرنا چاہتا ہے۔ تو ان کا انتظام بیوقوف اکھڑ لوگوں کے ہاتھ میں اور فَے بخیلوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ اور امام احمد وغیرہ ائمہؒ نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ کہ یونس علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کی خدایا تو آسمان پر ہے۔ اور ہم زمین پر۔ تیرے غضب کو ہم تیری رضا سے کیسے امتیاز کر سکتے ہیں۔ جواب ملا کہ جب میں تم پر نیک لوگوں کو مسلط کردوں۔ تو اسے میری رضا کا نشان سمجھو۔ اور جب بُرے لوگوں کو تمہارا حاکم بنا دوں۔ تو اسے میرے غضب کا نشان سمجھو۔ اور ابن ابی الدنیا نے فضیل بن عیاض سے روایت کیا ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ نے ایک نبی کو یہ وحی کی۔ کہ جب یہ لوگ جو میری معرفت رکھتے ہیں۔ میری سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ تو میں ان پر ان لوگوں کو مسلط کر دیتا ہوں۔ جو میری معرفت نہیں رکھتے۔

اور نیز وہ حدیث بروایت ابن عمر مرفوعاً ذکر کرتے ہیں۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا
والذی نفسی بیدہٖ لا تقوم الساعۃ حتی یبعث اللہ اُمراءَ کذبۃ و وزراءَ

[1] اللہ تعالیٰ کی طرف ۱۲ مترجم

فجرۃ وأعوانا خونۃ وعرفاء ظلمۃ وقراء
فسقۃ سیماھم الرھبان وقلوبھم انتن من الجیف
اھواءھم مختلفۃ فیفتح اللہ لھم فتنۃ غبراء مظلمۃ فیتھاوکون فیھا والذی نفسی محمد بیدہ لینقضن الاسلام
عروۃ عروۃ حتی لا یقال اللہ اللہ لتامرن بالمعروف و
لتنھون عن المنکر اولیسلطن اللہ علیکم اشرارکم
فلیسومونکم سوء العذاب ثم یدعوا خیارکم فلا یستجاب لھم
لتامرون بالمعروف ولتنھون عن المنکر اولیبعثن اللہ علیکم
من لا یرحم صغیرکم ولا یوقر کبیرکم
یعنی بخدا کہ قیامت نہیں قایم ہوگی حتی کہ خدا تعالی جھوٹ بولنے والے امرا اور فاجر
وزرا خیانت پیشہ معاون ومددگار اور ظالم سرداروں اور فاسقوں قاریوں کو جو
راہبوں کی سی شکل وضع رکھتے ہوں گے۔ اور ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار ہونگے
اور انکی خواہشیں مختلف ہوں گی پیدا کریگا پس اللہ تعالی ان کے لئے ایک عام تاریک
فتنہ برپا کردیگا جس میں وہ سب لوگ مُبتلا ہوں گے۔ اور بخدا کہ اسلام لڑی لڑی
ہوجائیگا حتی کہ کوئی اللہ کا نام نہیں لے گا۔ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کرتے رہوگے۔ تا آنکہ اللہ تعالی تمپر برے لوگوں کو متسلط کردیگا جو تمہیں بُرے
عذاب سے تکلیف دینگے۔ پھر تم میں سے جو نیک ہیں۔ وہ دُعا کرتے رہینگے
تو وہ قبول نہیں ہوگی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہوگے۔ تا آنکہ خدا
ایسے لوگوں کو تمپر حاکم بنادیگا۔ جو نہ تو چھوٹوں پر رحم اور نہ بڑوں کی عزت کرینگے
اور معجم طبرانی میں بروایت ابن عباس مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے
فرمایا۔ ما طفف قوم کیلا ولا بخسوا میزانا الا منعھم اللہ

عزوجلّ القطر وما ظہر فی قوم الزنا الا ظہر فیہم الموت
وما ظہر فی قوم الربا الا سلط اللہ علیہم الجنون ولا ظہر فی
قوم القتل یقتل بعضہم بعضاً الا سلط اللہ علیہم عدوہم و
لا ظہر فی قوم لوط الا ظہر فیہم الخسف وما ترک قوم الامر بالمعروف و
النہی عن المنکر الا لم ترفع اعمالہم ولم یسمع دعاءھم
یعنی کوئی قوم پیمانہ کو کم نہیں ماپتی اور ترازو کے وزن کو کم نہیں تولتی۔ مگر اللہ تعالیٰ
اس گناہ کے بدلے باران رحمت کو روک دیتا ہے۔ اور کسی قوم میں زنا نہیں پھیلتا
مگر ان میں موت نمودار ہوتی ہے۔ اور کسی قوم میں سود خوری ظاہر نہیں ہوتی۔ مگر
اللہ تعالیٰ ان پر دیوانگی متسلط کر دیتا ہے۔ اور کسی قوم میں آپس میں کشت و خون
نہیں ظاہر ہوتی۔ مگر اللہ تعالیٰ ان پر انکے دشمنوں کو متسلط کر دیتا ہے۔ اور کسی
قوم میں لواطت کا ظہور نہیں ہوتا۔ مگر ان میں خسف (یعنی زمین میں دھس جانا)
ظاہر ہوتا ہے۔ اور کوئی قوم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہیں کرتی۔ مگر
ان کے اعمال آسمان کی طرف نہیں اٹھائے جاتے (یعنی ان کی کچھ عزت نہیں
ہوتی) اور انکی دعا نہیں سنی جاتی۔ اور اس حدیث کو ابن ابی الدنیا نے ابراہیم
بن اشعث رض کی روایت سے بھی ذکر کیا ہے۔ اور مسند وغیرہ میں بروایت
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام تشریف لائے
اس حال میں کہ آپ ہانپ رہے تھے۔ میں نے آپکے چہرہ مبارک میں نظر کرکے
جان لیا۔ کہ کسی امر کی وجہ سے آپکی یہ حالت ہو رہی ہے۔ آپنے کوئی کلام
نہ کی۔ وضو کرکے باہر تشریف لائے۔ اور حجرے کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی
ہوگئی۔ اتنے میں آپ منبر پر چڑھے۔ اور اللہ کی حمد و ثنا کہی۔ پھر یوں فرمایا
یا ایہا الناس اتقوا ربکم ان اللہ عزوجل یقول لکم مروا بالمعروف

وَنہوا عن المنکر قبل ان تدعونی فلا اُجیبکم وَتستنصرُونی فَلَا انصرکم وَتسئلُونی فلا اعطیکم یعنی اے لوگو! اللہ کے عذاب سے بچو۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے۔ کہ تم لوگ قبل اس کے کہ تم دعا کرو اور میں قبول نکروں۔ اور مدد طلب کرو تو میں تمہاری مدد نکروں۔ اور تم مجھ سے مانگو اور میں تمہیں ندوں۔ تم لوگوں کو نیک کام کرنے اور بُرے کام سے باز رہنے کی ہدایت کرو۔ اور عمری زاہد فرماتے ہیں۔ کہ کسی ایسے امر کو جو موجب غضب الٰہی ہے۔ دیکھکر ٹال دینا۔ اور امر و نہی سے کسی ایسے شخص کے خوف سے باز رہنا جو اپنی ذات کے لئے خیر و شر کا مالک نہیں اپنے نفس سے غافل ہونے اور اللہ سے روگردانی کرنیکا نتیجہ ہے۔ پھر کہتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کسی مخلوق کے خوف سے ترک کردے۔ دوسرے لوگ اس کی اطاعت نہیں کرتے۔ اور اگر وہ اپنے کسی فرزند یا غلام کو کسی امر کا حکم دے۔ تو وہ بھی اس کا پاس حق نہیں کرتے۔ اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں بروایت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کیا۔ کہ آپنے فرمایا۔ کہ لوگو! تم آیہ[1] یٰاَیُّھا الّذین اٰمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضلّ اذا اھتدیتم۔ کو پڑھتے ہو اور اسکو اسکے غیر محل میں استعمال کرتے ہو۔ میں نے جناب پیغمبر علیہ السّلام کو یہ فرماتے سُنا۔ اِنَّ الناس اذا رأوا المنکر فلم یأخذوا علٰی یدیہ اوشک ان یعمّہم اللہ بعقاب من عندہ یعنی جب لوگ کسی بُرے کام کو دیکھکر اس کے کرنیوالے کو نہیں روکتے۔ تو اللہ تعالیٰ جلد ان پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے۔ اور امام اوزاعیؒ بروایت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السّلام نے فرمایا۔ اُخفیتِ الخطیئۃ فلا تضر الا

[1] اے ایمان والو! اپنے نفسوں کو سنبھالو۔ جب تم ہدایت پر ہوگئے۔ تو تمہیں دوسرے کی گمراہی کچھ ضرر نہیں دیگی۔ مترجم

صَاحِبَهَا وَاِذَا ظَهَرَت فَلَم تَضُرَّ غَيرَ العَامَّةِ یعنی جب گناہ مخفی طور پر کیا
جاوے۔ تو اس گناہ کرنیوالے کے سوا کسی اور کو ضرر نہیں پہنچاتا۔ اور جب
علانیہ کیا جاوے۔ تو اس کا وبال سب پر آتا ہے۔ امام احمدؒ حضرت عمر ابن
خطابؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ بہت جلد آباد بستیاں ویران
ہو جائیں گی۔ لوگوں نے پوچھا کیونکر؟ آپنے جواب دیا۔ کہ جب فاسقوں فاجروں
کو نیکو کاروں پر غلبہ ہو جائیگا۔ اور منافق لوگ حکومت کرنے لگیں گے۔ تو ایک عام
خرابی پھیل جائیگی۔ اور امام اوزاعیؒ حسان ابن ابی عطیہ سے روایت کرتے ہیں
کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا۔ سَتَظهَرُ شِرَارُ اُمَّتِی عَلٰی خِیَارِهَا
حَتّٰی یَستَخفِی المُؤمِنُ فِیهِم کَمَا یَستَخفِی المُنَافِقُ فِینَا الیَوم
یعنی عنقریب میری امت کے بُرے لوگ نیکوں پر غالب آجائینگے حتی کہ ایماندار
آدمی ان میں اسی طرح مخفی رہیگا جسطرح آج ہم میں منافق لوگ مخفی ہیں۔ اور ابن
ابی الدنیا بروایت ابن عباسؓ مرفوعاً ذکر کرتے ہیں۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے
فرمایا یَاتِی زَمَانٌ یَذُوبُ فِیهِ قَلبُ المُؤمِنِ کَمَا یَذُوبُ المِلحُ فِی المَاءِ قِیلَ
بِمَا ذَاكَ یَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ بِمَا یَرٰی مِنَ المُنکَرِ لَا یَستَطِیعُ تَغیِیرَهٗ
یعنی ایک زمانہ آئیگا۔ کہ اس میں ایماندار آدمی کا دل اس طرح پگھلے گا جس طرح
نمک پانی میں پگل جاتا ہے۔ صحابہ رضؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ کیونکر؟ آپنے
فرمایا کہ افعالِ شنیعہ کو دیکھکر ان کو روکنے یا بدلنے پر قادر نہ ہونگے، وجہ سے ایسا
ہوگا۔ اور امام احمدؒ سے بروایت جریر مروی ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام
نے فرمایا مَا مِن قَومٍ یُعمَلُ فِیهِم بِالمَعَاصِی هُم اَعَزُّ وَاَکثَرُ مِمَّن یَعمَلُهٗ ثُمَّ
لَم یُغَیِّرُوهُ اِلَّا عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ یعنی جن لوگوں میں گناہ بکثرت کئے جائیں
اور ان کی تعداد گناہ کرنیوالوں سے زیادہ ہو۔ اور وہ صاحبِ اقتدار ہوں

موت کا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہے۔ اور نیز حلیہ ابو نعیم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے
کہ آپ فرمایا کرتے۔ اے گناہ کرنیوالے۔ تو گناہ کے فتنہ اور انجام بد سے بیخوف
مت رہو۔ اور گناہ کے بعد جو نتیجہ اسپر مترتب ہوتا ہے۔ وہ اس گناہ سے کہیں
بڑھکر ہے۔ کیونکہ نامۂ اعمال کے لکھنے والے اسکو لکھتے ہیں۔ اور تیرا گناہ پر قایم
رہنا تیرے گناہ اور تیرے خندہ کرنے سے کہیں زیادہ ہے۔ اور جبکہ تجھے معلوم نہیں
کہ اللہ تیرے ساتھ جو سلوک کرنیوالا ہے۔ وہ تیرے گناہ سے کہیں زیادہ ہے
اور تیرا گناہ پر قابو پاکر خوش ہونا تیرے گناہ سے کہیں بڑھکر ہے۔ اور گناہ کے
فوت ہوجانے پر تیرا رنجیدہ خاطر ہونا گناہ سے کہیں بڑھکر ہے۔ اور تیرا گناہ کرتے
وقت ہوا کے لگنے سے پردے کی حرکت سے اس خیال پر کہ کوئی دیکھ لیگا ڈرنا
اور اللہ تعالیٰ کا تجھے گناہ کرتے وقت دیکھنا اور تیرا مضطرب نہ ہونا تیرے گناہ
سے کہیں بڑھکر ہے۔ تیرا بُرا ہو کیا تجھے معلوم ہے۔ کہ ایوب علیہ السلام کس گناہ
کے بدلہ عذاب میں مبتلا ہوئے جس سے جسمانی بیماری اور خانمان کی تباہی انپر
عاید ہوئی۔ وہ گناہ یہ تھا۔ کہ ایک مسکین آدمی نے آپ سے استغاثہ کیا تھا۔ کہ
فلان ظالم کے ظلم سے آپ مجھے بچالیں آپنے اس کی فریادرسی نہ کی۔ اور ظلم کا
انسداد نہ کیا۔ تب خداوند تعالیٰ نے براہ غیرت ان کو مبتلائے عذاب کیا۔ اور
امام احمد بروایت ولید امام اوزاعی سے ذکر کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ مینے
بلال ابن سعد کو یہ کہتے سنا۔ لَا تَنظُر اِلیٰ صِغَرِ الخَطِیئَۃِ وَلٰکِن انظُر اِلیٰ
مَن عَصَیتَ یعنی یہ مت خیال کرو کہ گناہ چھوٹا ہے۔ بلکہ اس ذات کو خیال
کرو۔ جسکی تمنے سرکشی کی ہے۔ اور فضیل ابن عیاض فرماتے ہیں۔ کہ جسقدر کوئی
گناہ تمہارے نزدیک چھوٹا ہوتا ہے۔ اسی قدر خدا کے ہاں وہ بڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ اللہ
نے موسیٰ علیہ السلام کیطرف وحی کی کہ اے موسیٰ سب سے پہلے میری مخلوقات میں سے

ہوتا ہے۔خدا اسپر ہر ایک امر کو دشوار بنا دیتا ہے۔اور ایسے شخص کی حالت پر سخت تعجب ہے۔جو خیر و سعادت کا دروازہ مسدود پاتا ہے۔اور اس سے کوئی چارہ نہیں

فصل

اور منجملہ ان کے وہ ظلمت ہے جسکو وہ اپنے تئیں اسی طرح محسوس کرتا ہے جس طرح شب تاریک کی ظلمت کو۔کیونکہ گناہ کی تاریکی اس کے قلب پر اسی طرح چھا جاتی ہے جس طرح آنکھوں کے سامنے شب تاریک کی ظلمت۔ وجہ اس کی یہ ہے۔کہ عبادت ایک نور ہے۔اور معصیت ایک ظلمت۔اور جسقدر ظلمت قوی ہوتی چلی جاتی ہے۔اسی قدر اس کی ظلمت بڑھتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ بدعت۔ضلالت۔اور دیگر مہلک امور میں گرفتار ہو جاتا ہے۔اور اسے علم نہیں ہوتا اور بعینہ اس اندھے کی طرح ہو جاتا ہے جو شب تاریک میں اکیلا چلتا ہو۔اور یہ ظلمت بالآخر اس قدر قوی ہو جاتی ہے۔کہ اس کا اثر آنکھوں میں ظاہر ہونے لگتا ہے۔بعد ازاں چہرے پر چھا جاتی ہے۔جسکو ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے۔عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔کہ نیکی سے انسان کے چہرے میں روشنی اور قلب میں نور اور رزق میں فراخی اور بدن میں قوت اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہوتی ہے۔اور گناہ سے چہرے پر سیاہی۔اور قبر اور قلب میں تاریکی اور بدن میں ضعف اور رزق میں کمی۔اور لوگوں کے دلوں میں اس کی عداوت جاگزین ہوتی ہے۔

فصل

اور منجملہ ان کے یہ ہے۔کہ گناہ انسان کے قلب اور بدن کو سست کر دیتا ہے

اور یہ عمل تاثیر گناہ کا ایک شمہ ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں۔ کہ فی الواقع مدت عمر کم ہو جاتی ہے جس طرح رزق میں نقصان عائد ہوتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے رزق میں برکت پیدا کرنیکے لئے ایسے اسباب قایم کر دیئے۔ جو اس کو بڑھاتے ہیں۔ اور عمر میں برکت پیدا کرنیکے لئے بھی ایسے اسباب قایم کر دیئے ہیں جو اس کو بڑھاتے ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ عمر کا بذریعہ اسباب کے زیادہ ہونا کوئی ممنوع امر نہیں جس طرح کہ وہ بذریعہ اسباب کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے رزق۔ عمر۔ سعادت۔ شقاوت۔ صحت۔ مرض۔ تونگری۔ فقر وغیرہ امور اگرچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قضا سے جاری ہوتے ہیں۔ مگر اس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے ان امور کیلئے اسبابِ مناسبہ مقرر کر دیئے ہیں۔ اور بعض یوں کہتے ہیں کہ گناہ کی تاثیر عمر کے کم کرنے میں یوں ظاہر ہوتی ہے۔ کہ گناہ کرنیوالے شخص کے ہاتھ سے حقیقی زندگی جس سے مراد روحانی زندگی ہے۔ جاتی رہتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ کافر کو میّت یعنی مردہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ چنانچہ آیہ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاء سے ظاہر ہے۔ کیونکہ حقیقی زندگی روحانی زندگانی کا نام ہے۔ اور انسان کی عمر سے مراد اس کی مدت حیات ہے سو اسکی عمر انہی اوقات میں محدود ہوگی جن میں وہ اللہ کے ساتھ وابستہ رہا۔ اور انہی اوقات کو اسکی عمر کی ساعتیں کہنا زیبا ہے سو نیکی۔ تقویٰ۔ طاعت ان اوقات کو جو فی الحقیقت اس شخص کے اوقات عمر سمجھے جاتے ہیں۔ زیادہ کرتے ہیں اور ان کے سوا دوسرے اوقاتِ مدت عمر میں محسوب نہیں ہوتے۔ الغرض آدمی جب اللہ سے منہ پھیر لیتا ہے۔ اور معصیت میں پڑ جاتا ہے۔ تو اسکی حقیقی زندگی کے ایام باطل و رائگاں جاتے ہیں۔ بجز قیامت کو حسرت کھا کر وہ یوں کہیگا یَالَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ۔ یعنی اے کاش میں اپنی حیات کے لئے اعمال صالحہ بھیجا کرتا۔ بہر صورت انسان کو یا تو امور دنیا اور آخرت کی طرف کچھ بھی توجہ کریگا

موقعہ نہیں ملا۔ یا اسنے کسی قدر توجہ کی ہے۔ پہلی صورت میں تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس
نے اپنی عمر کو بالکل ضائع کر دیا۔ اور دوسری صورت میں جس قدر اسکو دنیوی امور کی
طرف شغل کا موقعہ ملا ہوگا۔ اسی قدر اسباب خیر کا حصول اسپر دشوار ہوگا۔ اور وہ
مشاغل طریق سعادت میں اس کیلئے رکاوٹیں عاید کرینگے۔ اور اسی کو انسانی عمر کے
لئے نقصان حقیقی سمجھنا چاہیئے۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ انسان کی عمر اس کی مدت حیات کا
نام ہے۔ اور اس کی حیات بجز اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ وہ اپنے مولا کی طرف اپنی توجہ
کو لگائے۔ اور اس کی محبت اور رضامندی کو اپنی عمر کا مقصود حقیقی سمجھکر تمام امور پر ترجیح دے

فصل

منجملہ نتائج گناہ کے یہ بھی ہے۔ کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کا بیج ہوتا ہے۔ اور بعض
دیگر بعض کا موجب ہوتے ہیں حتی کہ انسان پر ان سے علیحدہ ہونا دشوار ہو جاتا ہے
چنانچہ بعض سلف نے کہا ہے۔ اِنَّ مِنْ عُقُوْبَۃِ السَّیِّئَۃِ السَّیِّئَۃُ بَعْدَھَا
وَاِنَّ مِنْ ثَوَابِ الْحَسَنَۃِ الْحَسَنَۃُ بَعْدَھَا یعنی منجملہ عذاب گناہ
کے ایک یہ عذاب ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے گناہ کا موجب ہو جاتا ہے۔ اور منجملہ نیکی
کے ثواب کے ایک یہ ہے۔ کہ وہ ایک دوسری نیکی کا باعث ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان
جب ایک نیکی کر لیتا ہے۔ تو جھٹ دوسری نیکی کے کرنے کی طرف اسکو راستہ مل جاتا ہے
جب وہ اس کو کر لیتا ہے۔ تو ایک اور نیکی کیطرف اسکو ہدایت ہوتی ہے علی ہذالقیاس
اس کی نیکیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اور بعینہ یہی حال گناہ کا ہے۔ کہ ایک گناہ دوسرے
گناہ کی طرف کھینچتا ہے۔ حتی کہ نیکی اور گناہ رفتہ رفتہ اس شخص کے نفس میں ہیئت راسخہ
اور صفت لازمہ اور ملکہ ثانیہ کی صورت میں قایم ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد اگر
کوئی نیکی کرنیوالا شخص نیکی کرنا چھوڑ دے۔ تو اس کی جان تنگ آجاتی ہے۔ اور وہ

اعمال سے واقف ہوتا ہے۔ اور ہر وقت اس کے زیر نظر رہتا ہے۔ اور اس کی ملائکہ اسکو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اور قرآن۔ ایمان۔ موت۔ جہنم اسکو بڑے زور سے روکتے ہیں۔ (اور وہ اس بات کو نہیں سمجھتا) کہ ارتکابِ گناہ میں جس سرور اور لذّت کو وہ حاصل کرتا ہے۔ اس کی حقیقت بمقابلہ اس دینی اور دُنیوی خیر و برکات کے جو گناہ کرنے سے زائل ہو جاتی ہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ بھلا ایسی حالت میں کیا کوئی عقل سلیم کا آدمی گناہ کو سرسری خیال کر کے کبھی ارتکاب پر آمادہ ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔

فصل

اور منجملہ ان کے یہ ہے۔ کہ گناہ جمع ہوتے ہوتے کرنیوالے آدمی کے دل پر زنگ پیدا کر دیتے ہیں۔ اور بالآخر وہ بالکل غافل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آیۂ بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔ کی تفسیر میں بعض سے مروی ہے کہ اس آیت میں رین سے مراد گناہ پر گناہ کرنا ہے۔ حسن رضؓ بھی فرماتے ہیں۔ کہ گناہ پر گناہ مراد ہے۔ جس سے آخر کار دل کا اندھا ہو جاتا ہے۔ اور ان کے سوا بعض دیگر بزرگان سے بھی مروی ہے۔ کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ جب ان کے گناہ زیادہ ہو گئے۔ تو ان کے دلوں پر محیط ہو گئے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ قلب گناہ سے زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اور جب گناہ زیادہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ تو زنگ غالب ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ رین بنکر بتدریج [1] طبع۔ قفل۔ ختم تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ دل پر ایک قسم کا پردہ اور غلاف چڑھ جاتا ہے۔ اور جب یہ حالت ہدایت اور بصیرت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ تو صورت برعکس ہو جاتی ہے۔

[1] یہ تینوں الفاظ قرآن مجید کے آیات ذیل سے اخذ کئے گئے ہیں۔ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ ۱۲ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُہَا ۱۲ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ ۱۲ طبع اور ختم کے معنی مہر لگانے کے ہیں۔ اور طَبَعٌ بالکسر کے معنی زنگ کے ہیں ❊

خبر دیتے ہیں۔ وہ شخص جسکو تم نے دیکھا تھا۔ کہ اس کا سر توڑا جاتا تھا۔ وہ ایک
شخص ایسا تھا۔ جو قرآن مجید حاصل کر کے پھر اسکو چھوڑ بیٹھا تھا۔ اور نماز
فریضہ بلا پڑھے سو رہتا تھا۔ اور وہ شخص جسکی باچھ اور ناک نتھنا اور آنکھ گردن
کے پچھلے حصہ تک پھٹ جاتی تھی۔ وہ ایک ایسا شخص تھا۔ جو صبح گھر سے نکلکر
لوگوں میں جھوٹ پھیلاتا تھا۔ اور وہ مرد و عورتیں جو ننگے بدن تنور جیسے گڑھے
میں تم نے دیکھے تھے۔ وہ زناکار مرد اور عورتیں تھیں۔ اور وہ شخص جو نہر میں
تیر رہا تھا۔ اور اس کے منہ میں پتھر بھرے جاتے تھے۔ ایک ایسا شخص تھا جو
سُود کھایا کرتا تھا۔ اور وہ بدشکل آدمی جو آگ کو بھڑکاتا اور اسکے گردا گرد
دوڑتا تھا۔ وہ جہنم کا داروغہ تھا۔ اور وہ لمبے قد کا آدمی جو باغ میں دیکھا گیا
تھا۔ وہ ابراہیم علیہ السلام تھے۔ وہ بچے جو ان کے گردا گرد تھے۔ وہ سب
ایسے بچے تھے۔ جو اپنی فطرت پر مر گئے تھے۔ (اور برقانی کی روایت میں یوں ہے
کہ وہ بچے جو فطرت پر پیدا ہوئے تھے) بعض مسلمانوں نے سوال کیا کیا یا رسول اللہ
کیا مشرکین کی اولاد بھی؟ آپنے فرمایا ہاں مشرکین کی اولاد بھی۔ اور وہ لوگ جن
کا آدھا دھڑ خوبصورت تھا۔ اور آدھا بدنما۔ وہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے عمل
نیک اور عمل بد کو باہم ملا دیا ہو۔ سو اللہ تعالیٰ نے انکے گناہوں کو معاف کر دیا۔

فصل

اور منجملہ آثار گناہ کے وہ مختلف قسم کے فسادات ہیں۔ جو بوجہ شامت گناہ کے
پانی۔ ہوا۔ زراعت۔ پھل۔ مسکن وغیرہ میں ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ خداوند کریم
فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ
بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ یعنی خشکی اور تری میں لوگوں کی شامت

فصل

اور منجملہ عذاب گناہ کے ایک یہ عذاب بھی ہے۔ کہ انسان کے قلب میں غیرت وحمیت کی گرمی سرد پڑ جاتی ہے۔ جو اس کی روحانی زندگی کے لئے وہی حکم رکھتی ہے جو حرارت غریزی جسمانی زندگی کے لئے۔ کیونکہ غیرت قلب کیلئے بمنزلہ آگ کے ہے۔ جو ہر ایک قسم کی خباثت اور صفات مذمومہ سے اسکو پاک وصاف کر دیتی ہے۔ جس طرح کہ آہنگر دھونکنی کے ذریعہ سے سونا۔ چاندی۔ لوہے کی میل کچیل صاف کی جاتی ہے۔ اور نوع انسان میں۔ عالی قدر بلند ہمت وہی شخص ہوا کرتا ہے جو اپنی ذات اور اپنے اقارب اور عوام الناس کے کسی امر کے متعلق سب سے بڑھکر غیرت کا اظہار کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنی امت مرحومہ پر سب سے بڑھکر غیرت مند تھے۔ اور اللہ تعالیٰ آپ سے بھی بڑھکر غیرتمند ہے چنانچہ ایک حدیث صحیح میں مروی ہے۔ کہ آپنے فرمایا اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَیْرَۃِ سَعْدٍ لَاَنَا اَغْیَرُ مِنْہُ وَاللّٰہُ اَغْیَرُ مِنِّیْ ٥ یعنی کیا تم لوگ سعدؓ کی غیرت سے تعجب کرتے ہو؟ بیشک میں اس سے زیادہ غیرتمند ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرتمند ہے۔ اور نیز آپ نے خطبۂ کسوف میں یوں ارشاد فرمایا یَا اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ مَا اَحَدٌ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰہِ اَنْ یَّزْنِیَ عَبْدُہٗ اَوْ تَزْنِیَ اَمَتُہٗ یعنی اے امت محمدیہ اللہ تعالیٰ سے بڑھکر اس بارہ میں کوئی غیرتمند نہیں۔ کہ اسکا کوئی غلام یا لونڈی (یعنی مرد یا عورت) زنا کریں۔ اور نیز ایک صحیح حدیث میں یوں وارد ہے۔ لَا اَحَدٌ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰہِ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا اَحَدٌ اَحَبُّ اِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ اَرْسَلَ الرُّسُلَ مُبَشِّرِيْنَ

جسکے بعد فعل کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اور جب وہ فعل بار بار کیا جاتا ہے۔ تو نفس کیلئے وہ ایک صفت لازم اور ایک ہیئت راسخ بن جاتا ہے جس سے نجات پانا اسی طرح دشوار ہوجاتا ہے۔ جس طرح دیگر طبعی صفات سے نجات پانا۔

الغرض جوں جوں گناہ کی ملابست قوی ہوتی چلی جاتی ہے۔ غیرت بھی ساتھ ساتھ کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور بعض اوقات غیرت یہانتک کمزور ہوجاتی ہے۔ کہ وہ شخص کسی قبیح امر کو خواہ اپنی ذات کے متعلق ہو یا کسی غیر کے متعلق ہرگز بُرا نہیں سمجھتا اور جب اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ تو وہ ہلاکت کے دروازہ میں ہوچکتا ہے چنانچہ اس قسم کے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں۔ جو صرف گناہوں کو بُرا نہ سمجھنے تک ہی محدود نہیں رہتے۔ بلکہ فواحش اور ظلم کی خوبیاں دوسروں تک بیان کرکے انہیں بھی اُن کی طرف مجبور کرتے ہیں۔ اور انکے کرنے میں انکی اعانت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دیوّث آدمی تمام مخلوقات سے بڑھکر خبیث سمجھا جاتا ہے جسپر جنّت حرام ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہے۔ جو ظلم اور بغاوت کو دوسرے کے سامنے جائز بتاتا ہے اور اسکی خوبیوں کا اظہار کرتا ہے۔ سو غور کرنا چاہیئے۔ کہ بے غیرتی انسان کو کہانتک پہنچا دیتی ہے۔ ان سطور سے یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ غیرت دین کا اصل اصول ہے۔ اور جس شخص میں غیرت نہیں۔ اس کا کوئی دین نہیں۔ کیونکہ غیرت قلب کی محافظ ہے۔ کہ جس سے جوارح اور اعضا بھی محفوظ رہکر ہر ایک قسم کی قبائح اور فواحش کو روکتے ہیں۔ اور بے غیرتی قلب کو مردہ بنا دیتی ہے جس سے جوارح اور اعضا بھی مردہ ہوجاتے ہیں۔ اور وہ قبائح اور فواحش کی مدافعت نہیں کرتے۔ غیرت کی مثال بعینہ اس قوت کی سی ہے۔ جو مرض کا مقابلہ کرتی ہے۔ کیونکہ جب قوت بالکل ضائع ہوجاتی ہے۔ تو مرض بلا روک ٹوک اپنی جگہ بنالیتا ہے جس کا نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے۔ یا بھینس کے سینگوں کی سی مثال ہے۔ جس سے

کہ وہ اپنے اور اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے اور جب ٹوٹ جاتی ہیں تو دشمن پر عذاب آجاتا ہے

فصل

اور منجملہ عذاب گناہ کے ایک یہ ہے۔ کہ گناہ کرنیوالے کے قلب سے حیا جو مادۂ حیات ہے
اُٹھ جاتی ہے۔ اور حیا ہر ایک قسم کی خیر کے لئے ایک اصل عظیم ہے۔ اس لئے اس کے
اُٹھ جانے سے ہر ایک قسم کی خیر منقطع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ارشاد نبوی
یوں وارد ہوا ہے۔ اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ اور پھر فرمایا کہ منجملہ انبیا علیہم السلام کے
کلام کے جو لوگوں کو پہنچا ہے یہ ہے اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ
یعنی جب تو حیا اٹھا دے تو جو دل چاہے کیا کر۔ اس قول کی دو طرح تفسیر کی گئی
ہے۔ اول یہ کہ اس جملہ میں ایک قسم کی تہدید اور وعید ہے۔ اور مطلب یہ ہے۔ کہ
جو شخص حیا نہیں کرتا وہ ایک قسم کے بُرے اعمال کو کر گذرتا ہے۔ کیونکہ حیا ہی
صرف اس کو مانع تھی۔ سو جب حیا اسکو جو بُرے افعال سے روکتی تھی اُٹھ گئی
تو وہ اس کا ارتکاب کر گذریگا۔ یہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی تفسیر ہے۔ دوم یہ کہ کسی
فعل میں جب اللہ سے حیا نہ کی جائے۔ تو کرنیوالا اسکو کرے۔ کیونکہ نہ کرنا اسی فعل
کا ضروری ہوتا ہے۔ جس میں اللہ سے حیا کی جائے۔ اور یہ تفسیر امام احمد جر بروایت
ابن ہانی مروی ہے۔ اسلئے یہ کلام پہلی صورت میں اس قسم کی وعید پر شامل ہوگا
جو قرآن مجید کے جملہ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ میں موجود ہے (کیونکہ اس جملہ سے مخالفین
کو ہر ایک قسم کے جائز ناجائز عمل کی اجازت دینا مقصود نہیں بلکہ ان کے اعمال پر
انہیں ایک طرح پر دھمکانا مقصود ہے) اور دوسری صورت میں اجازت و اباحت کا
مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی یوں کہے۔ کہ کیا ہم اس کلام کو ہر دو معنی پر محمول کر
سکتے ہیں۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔ اور جس شخص کی رائے پر بھی جو لفظ

إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ
فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُوْلٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ٭ یعنی اے ایماندارو
اللہ تعالےٰ سے ڈرو۔ اور ہر ایک شخص کو چاہیئے۔ کہ وہ اس امر میں غور کرے
کہ وہ اپنے کل (قیامت) کیلئے کیا عمل کر رہا ہے۔ اور تم اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ
وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے
اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا۔ (جسکے بدلے) خداوند تعالیٰ نے ان کے نفسوں کو بھلا دیا
(جن کی فکر آئندہ سے وہ بالکل غافل ہو گئے) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے
ایمانداروں کو پہلے تقویٰ کا حکم دیا ہے۔ اور ان لوگوں کی مشابہت سے نہی
کی ہے۔ جو تقویٰ کے چھوڑ دینے سے اس کو بھول گئے ہیں۔ اور اس امر
کی خبر دی ہے۔ کہ وہ تقویٰ چھوڑ دینے والوں کو اس طرح عذاب کیا کرتا ہے
کہ انہیں انکے نفسوں سے غافل کر دیتا ہے یعنی وہ اپنی عاقبت کی مصلحتوں
اور آنیوالے عذاب اور حیات ابدی کے حاصل کرنے اور آخرت کی لذت
و سرور اور نعمائے جنّت سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں۔ سو انکا اپنے نفسونکو
بھول جانا اللہ تعالےٰ کے بھول جانے اور اس کی عظمت و خوف کے اُٹھا
دینے اور اوامر و نواہی کے ترک کر دینے کا نتیجہ ہے جسکی وجہ سے وہ اپنی
اُخروی مصلحتوں سے بالکل بیخبر رہتے ہیں۔ اور عمر عزیز کو معصیت و لذت
میں رائگاں کھو دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے ذکر سے غافل رہکر ہوائے نفس
کی پیروی میں صراط مستقیم سے دُور جا پڑتے ہیں۔ اور سعادت ابدی کے
حاصل کرنے میں فرو گذاشت کر جاتے ہیں۔ ایک ناکارہ اور ناپائدار چند روزہ
لذت پر جو موسم بہار کے باد کیطرح بہت جلد زائل ہو جاتی ہے لو مرتے ہیں ٭
اَحْلَامُ نَوْمٍ اَوْ كَظِلٍّ زَائِلٍ ۔ اِنَّ اللَّبِيْبَ بِمِثْلِهَا لَا يَخْدَعُ

وَمَا كَانَ شَيْءٌ عَلَيْهِمْ أَضَرَّ ۔ مِنَ الظُّلْمِ وَهُوَ الَّذِي قَدْ قَصَمْ

اور ظلم سے بڑھکر کوئی چیز ان کے حق میں مضر ثابت نہ ہوئی۔ اور اسی نے انکی پیٹھ توڑ ڈالی

فَكَمْ تَرَكُوا مِنْ جِنَانٍ وَمِنْ ۔ قُصُورٍ وَأُخْرَى عَلَيْهِمْ أُطُمْ

سو وہ بہت سے باغات اور محلات چھوڑ مرے۔ اور ظلم سے بڑھکر کوئی مصیبت ان پر نہ آسکی

صَلَوْا بِالْجَحِيمِ وَفَاتَ النَّعِيمُ ۔ وَكَانَ الَّذِي نَالَهُ كَالْحُلُمْ

ظالم جہنم میں جا داخل ہوا۔ اور نعمتیں اس سے جاتی رہیں۔ اور وہ سماں جو اسنے دیکھا تھا خواب ہوگیا

فصل

اور منجملہ عذاب گناہ کے ایک یہ عذاب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ گناہ کرنیوالے شخص کے قلب میں خوف و رعب ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ خوف زدہ اور ڈرپوک پایا جاتا ہے۔ کیونکہ طاعت و عبادت اللہ تعالیٰ کا ایک مضبوط قلعہ ہے۔ جو شخص اس میں داخل ہوجائے وہ ہر ایک قسم کے دنیوی و اخروی عذابوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اور جو شخص اس قلعہ سے باہر ہوجاوے۔ اُسے ہر ایک قسم کا خوف آگھیرتا ہے۔ اس لیئے جو لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان پر تمام خوف امن ہوجاتے ہیں۔ اور جو لوگ اس کی سرکشی کرتے ہیں۔ ان کے لیئے تمام امن خوف کی صورت میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ سو گناہ کرنیوالے شخص کا دل ہمیشہ جانور کے بازوں کی طرح پھڑپھڑاتا رہتا ہے۔ جہاں ذرا سی ہوا کی حرکت سے کوڑا کے ہلنے کی آواز بھی کان میں آگئی۔ وہیں تھر تھرانے لگ جاتا ہے۔ کہ کوئی دشمن آپڑا۔ اور جہاں ذرا سی پاؤں کی آہٹ بھی معلوم ہوئی۔ تو جھٹ موت کا یقین کر لیتا ہے۔ اور اگر ادہر اودہر سے کوئی آواز سنائی دیتی ہے۔ تو یہی سمجھتا ہے۔ کہ یہ نعرہ مجھ پر کیا گیا ہے۔ الغرض سخت کمزور دل

کا ہو کر چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی اپنے تئیں مبتلائے مصیبت دیکھنے لگتا ہے
سو جب کوئی شخص اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ تو اسپر تمام خوف امن
کی صورت میں اور برخلاف حالت میں تمام امن خوف کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں ۵

یَدَ قَضَا اللّٰہِ بَیْنَ الْخَلْقِ مُذْ خُلِقُوْا اِنَّ الْمَخَاوِفَ وَالْاَجْرَامَ فِیْ قَرَنٍ

یعنی ابتدا آفرینش سے ارادہ الٰہی مخلوقات میں یوں جاری ہوا ہے کہ خوف اور گناہ باہم ایک رسی میں باندھے گئے ہیں

فصل

اور منجملہ عذاب گناہ کے ایک یہ ہے۔ کہ گناہ گناہ کرنیوالے کے دل کو نہایت
وحشت زدہ بنا دیتا ہے۔ اور یہ وحشت اُسکے اور خدا تعالیٰ کے درمیان اور
اُسکے اور دیگر مخلوقات کے درمیان اور اُسکے اور اسکی اپنی ذات کے درمیان
واقع ہوتی ہے۔ اور جوں جوں گناہ بڑہتے جاتے ہیں۔ اس کی وحشت بھی قوی
ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور یہ امر مسلم ہے۔ کہ وحشت زدہ اور خائف آدمی کی زندگی
نہایت تلخ ہو جاتی ہے۔ اور صاحب ذکر آدمی اُنس پذیر ہو کر نہایت پاکیزہ
زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اگر کوئی عاقل آدمی غور کے ساتھ گناہ کی لذت اور
اس کے نتائج خوف و وحشت کا اچھی طرح موازنہ کرے تو اس اپنی بدحالی
اور زیاں کاری کا بخوبی یقین ہو جائیگا۔ کیونکہ وہ عبادت اور امن اور روحانی
لذت کو وحشت گناہ اور ایک دام خوف کے ساتھ بدل ڈالتا ہے ۵

اِذَا كُنْتَ قَدْ اَوْحَشَتْكَ الذُّنُوْبُ فَدَعْهَا اِذَا شِئْتَ وَاسْتَانِسِ

یعنی جب تجھے گناہ وحشت زدہ بنا دیں تو انکو جب چاہے چھوڑ کر اُنس پذیر
ہو جا۔ اس مسئلہ میں راز یہ ہے۔ کہ عبادت موجب تقرب الٰہی ہوتی ہے۔ اور
جسقدر یہ تقرب بڑھتا ہے اُسی قدر اُنس پذیری بھی قوی ہوتی چلی جاتی ہے

کو دیکھا۔ تو آپنے بدیں الفاظ وصیت کی اِنِّی اَدَی اللّٰہ تعالےٰ قَدْ اَلْقیٰ
عَلَیْكَ نُوْرًا فَلَا تُطْفِئْہُ بِظُلْمَۃِ الْمَعْصِیَۃِ یعنی میں دیکھتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ نے
تجھے نورِ فطرت عطا فرمایا ہے۔ دیکھنا کہیں تاریکی گناہ سے اسے بجھا دینا مطلب
یہ کہ نورِ ایمان بتدریج کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ظلمتِ معصیت ترقی کرتے کرتے
دلکو شبِ تاریک کی طرح سیاہ بنا دیتی ہے۔ تب وہ شخص کئی ایک ہلاکتوں میں
مبتلا ہوتا ہے۔ مگر وہ نہیں جانتا۔ بعینہ اس اندھے کی طرح جو رات کو کسی ہلاکت
خیز راستہ پر چل پڑتا ہے۔ سو جو شخص ایسی ہلاکت سے محفوظ ہے۔ اسکی حالت
کا اس شخص کی حالت سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔ جو اس ہلاکت میں مبتلا ہے۔ مذکورہ
بالا ظلمت آہستہ آہستہ قلب سے تجاوز کر کے گناہ کرنیوالے شخص کی بیرونی اعضا
اور جوارح پر ظاہر ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ جس قدر وہ قوی ہوتی ہے۔ اسیقدر
چہرہ پر اس کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اور چونکہ موت کے وقت وہ پورے طور پر
ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے قبر میں بھی اس کا ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث
میں یوں وارد ہے۔ اِنَّ ھٰذِہِ الْقُبُوْرَ مُمْلِئَۃٌ عَلٰی اَھْلِھَا ظُلْمَۃً اِنَّ اللّٰہَ یُنَوِّرُھَا
بِصَلَاتِیْ عَلَیْھِمْ یعنی یہ قبور ان قبور والوں پر ظلمت سے بھری گئی ہیں۔ اور میری
صلوۃ سے خدا تعالیٰ انہیں روشن کریگا۔ جب قیامت کا دن ہوگا۔ اور مردے
اُٹھیں گے۔ یہی ظلمت گناہ کرنیوالوں کے چہروں پر ظاہر ہوگی۔ جس کو سب
لوگ دیکھیں گے۔ آہ! افسوس وہ ایسا بدترین عذاب ہوگا۔ کہ دنیا کی تمام فانی
لذتیں ملکر بھی اس کی ہم پلہ نہیں ہوسکیں گی۔ پس ایک سمجھدار آدمی کیونکر ایسی
ناپائیدار لذت میں پڑ کر عذاب ابدی کو اختیار کر سکتا ہے۔ جس کا زمانہ خواب
وخیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ واللہ المستعان۔

اس آیت میں اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہارے باپ آدم ابو البشر
کی عزت کی اور اسے فضیلت دیکر اس کو گرامی قدر بنایا۔ جب میں نے اپنے تمام
ملائکہ کو حکم دیا۔ کہ تم اسے سجدہ کرو۔ چنانچہ سب نے اس حکم کی اطاعت کی مگر میرے
اور تمہارے دشمن نے اس حکم کی بجا آوری سے انکار کیا۔ اور میری طاعت کے
دائرہ سے باہر ہو گیا۔ پس تمہیں یہ امر کیسے زیبا ہے۔ کہ تم اسے اور اسکی ذریات کو
اپنے خیر خواہ دوست سمجھکر ان کی اطاعت کرتے ہو۔ اور میری مرضی کے برخلاف تم
اسے اپنا دوست سمجھتے ہو۔ حالانکہ وہ سب سے بڑا تمہارا دشمن ہے۔ سو تم میرے
دشمن سے دوستی رکھتے ہو۔ باآنکہ میں نے اس کی عداوت کا تمہیں حکم دیا تھا۔ جو
شخص بادشاہ کے دشمنوں سے دوستی رکھتا ہے۔ بادشاہ اُسے بھی منجملہ دشمنوں
کے اپنا ایک دشمن خیال کریگا۔ کیونکہ محبت و طاعت کا ایک نشان یہ بھی ہے۔
کہ محبوب کے دشمنوں کو دشمن اور اس کے دوستوں کو دوست رکھا جائے۔ اور اگر
کوئی شخص بادشاہ کے دشمنوں سے دوستی کر کے بادشاہ کی دوستی کا بھی مدعی ہو
تو یہ ناممکن بات ہے۔ اور یہ گفتگو اس صورت میں ہے۔ جبکہ بادشاہ کا دشمن اس
شخص کا دشمن نہ ہو۔ لیکن جب وہ اس شخص کا دشمن بھی ہو اور بادشاہ سے دشمنی
کرنیکی نسبت اس شخص سے زیادہ دشمنی رکھتا ہو۔ جیسا کہ بھیڑیا بکری کے ساتھ
عداوت رکھتا ہے۔ تو عاقل آدمی کیونکر اپنے ایسے دشمن اور اس آقا کے دشمن
کو دوست رکھ سکتا ہے۔ جس کے سوا اس کا اور کوئی آقا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ
ایسی دوستی کی برائی پر اللہ تعالیٰ بندوں کو یوں آگاہ کرتا ہے۔ وَہُمْ لَکُمْ عَدُوٌّ
یعنی شیطان اور اس کی ذریات تمہارے دشمن ہیں۔ اور اسی طرح اس کے اپنے ساتھ
دشمنی رکھنے کے متعلق فرمایا فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهٖ یعنی وہ خدا تعالیٰ کے حکم کی
بجا آوری سے خارج ہو گیا۔ اس بحث سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ شیطان کا اللہ تعالیٰ

سے محروم ہے۔ گو اس کے پاس دنیا و مافیہا موجود ہو۔ کیونکہ دُنیا کی ہر ایک چیز کا عوض
ممکن ہے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ سے کوئی شخص قطع تعلق کرلے۔ تو یقیناً اس کا عوض کوئی
چیز بھی نہیں ہو سکتی۔ بھلا آدمی جو فطرتاً محتاج اور عاجز اور فانی اور مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ
کو جو غنی بالذات اور قادر مطلق اور حی لایموت اور اس کا خالق ہے۔ کیونکر کسی چیز کو
اس کا عوض خیال کر سکتا ہے؟ اور جس کی ہستی اپنی چیز نہیں۔ اور یقیناً کسی چیز کا اپنی
ذات سے آپ مالک نہیں۔ وہ اس ذات سے جس کی غنا۔ حیات۔ کمال۔ وجود۔
رحمت وغیرہ ذاتی صفات ہیں۔ کیسے مستغنی ہو سکتا ہے؟ یہ تو ایک ذرہ برابر چیز
پر بھی قابو نہیں رکھتا۔ اور وہ مالک السموات والارض ہے۔

اور گناہ کی روزی اور عمر سے خیر و برکت کے زوال کا سبب ہونیکی یہ وجہ ہے
کہ شیطان گناہ اور گناہ کرنیوالے لوگوں پر مسلط کیا گیا ہے۔ اور وہ ان لوگوں
اور امور معصیت پر ہر ایک طرح سے متصرف ہے۔ اور جس چیز سے شیطان متصل اور مقارن
ہوتا ہے۔ اس سے خیر اور برکت زائل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے۔ کہ صاحب شریعت
نے کھانے پینے۔ لباس۔ سواری۔ جماع وغیرہ امور کے شروع میں ذکر خدا کو مشروع قرار
دیا ہے۔ کیونکہ ذکر خدا موجب خیر و برکت ہے۔ اور شیطان کو دفع کرتا ہے جس سے
اس امر میں برکت حاصل ہوتی ہے۔ اور مخالف اثر سے محفوظ رکھی جاتی ہے۔
اور جس امر کے ساتھ اللہ کا ذکر نہ ہو۔ اور وہ اللہ کی نیت پر نہ کیا جائے۔ تو اس
سے ہر ایک قسم کی برکت مسلوب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ برکت حضرت اللہ تبارک تعالیٰ
کی ذات سے ہی مخصوص ہے۔ اور وہی اس کا منبع ہے۔ چنانچہ ہر ایک چیز جسکی
نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے۔ وہ بابرکت سمجھی جاتی ہے۔ اس سے اسکا
کلام۔ اس کا رسول۔ اس کا ایماندار بندہ۔ بیت اللہ۔ اور اس کا کنانہ یعنی ارض شام
جس کا قرآن مجید کی چھ آیات میں برکت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ سب کے سب

مقام پر ایک بڑی بھاری غلطی لگ جایا کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آدمی کبھی یہانتک
تنزل کرجاتا ہے۔ کہ ہزار درجہ ترقی کا اس ایک تنزل کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔
جبکہ حدیث میں وارد ہے۔ آدمی زبان سے ایک کلمہ نکالتا ہے۔ اور اس میں کوئی
استثنا نہیں کرتا جس سے وہ قعر جہنم میں جاگرتا ہے۔ اس صورت میں وہ کونسا
صعود ہو سکتا ہے۔ جو اس تنزل کا مقابلہ کرسکے۔ یہ سچ ہے کہ نزول ہر ایک انسان
کے ساتھ لازم ہے۔ مگر بعض کا نزول تو صرف غفلت تک محدود ہوتا ہے۔ جب وہ بیدار
ہوجاتے ہیں۔ تو اپنے اصلی مقام یا اس سے بھی بلند مقام کی طرف ترقی کرجاتے ہیں۔
اور بعض کا نزول کسی مباح امر تک ہوجاتا ہے کسی حکم عبادت کی بجا آوری میں معاون
نہیں ہو سکتا۔ سو ایسا شخص جب عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو کبھی اپنے اصلی
مقام کی طرف عود کرتا ہے۔ اور کبھی نہیں کرتا۔ اور کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے۔
کہ اپنے اصلی مقام سے اعلیٰ مقام کی طرف ترقی کرجاتا ہے۔ اور بعض لوگ کسی قسم
کی صغیرہ یا کبیرہ معصیت تک نزول کرجاتے ہیں۔ سو ایسے لوگ اپنے اصلی مقام
کی طرف رجوع کرنیکے لئے خالص توبہ اور سچی انابت کے محتاج ہیں۔ اور علما نے اس
امر میں اختلاف کیا ہے۔ کہ آیا کوئی شخص توبہ کے بعد اپنے پہلے مقام کی طرف عود
کرسکتا ہے۔ اس خیال پر کہ توبہ گناہ کو بالکل محو کردیتی ہے۔ یا اصلی مقام کی طرف
رجوع نہیں کرسکتا۔ بدیں خیال کہ توبہ صرف عذاب کو ساقط کرسکتی ہے۔ گناہ کو
معدوم نہیں کرسکتی۔ اس لئے جس مقام سے وہ تنزل کرچکا ہے۔ پھر اس کی طرف
رجوع نہیں کرسکتا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ وہ معصیت کے زمانہ میں طاعت
اور عبادت سے کسی اعلیٰ مقام کی طرف ترقی کرنیکی قابلیت رکھتا تھا۔ اور اپنے
جمیع اعمال سے کسی اعلیٰ درجہ تک ترقی کرنے میں وہ بعینہ اس شخص کے مشابہ
تھا۔ جو اپنے مملوکہ مال کو تجارت میں لگا کر اس کو بڑھاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مال

سب سے زیادہ حقیر دیکھنے لگا۔ اور اللہ عزوجل کے حضور میں مجرم۔ خطا کار۔
سرنگون۔ نادم۔ اور خائف ہوکر اپنے نفس اور مذمت کا اقرار کرکے اللہ تبارک
و تعالے کو صفاتِ کمال اور حمد و وفا کا مستحق سمجھنے لگا۔ کما قیل ؎

استاثر اللہ بالوفاء و بالحمد ، و ولی الملامۃ الرجلا

اللہ کو وفا اور حمد کیساتھ دوسری چیز و نیز اختیار کرلیا۔ اور آدمی کو مستحق ملامت بنادیا۔
ایسی حالت میں جو لذت اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے
اسکو اپنے حق میں کثیر سمجھتا ہے۔ اور یہ یقین رکھتا ہے۔ کہ وہ ہرگز اس کا مستحق نہیں
تھا۔ اور جو بلا اور مصیبت اسپر نازل ہوتی ہے۔ اپنے تئیں اس کا مستوجب سمجھکر یہ
خیال کرتا ہے۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا احسان عظیم ہے۔ کہ جس نے اس کے گناہ
کے موافق عذاب نازل نہیں کیا۔ بلکہ وہ یہ یقین رکھتا ہے۔ کہ اس کا گناہ اسقدر
بڑا تھا۔ کہ اگر اس کے بدلے اسپر ایسا عذاب نازل ہوتا جسکی پہاڑ بھی تاب نہ
لاسکتے۔ تو بالکل شایاں تھا۔ کیونکہ گناہ اگرچہ صغیرہ ہو۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ
کی عظمت و جبروت کے مقابلہ میں بڑا سمجھا جاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ذات
باری سے بڑھکر کوئی موجود عظمت و کبریا اور جلال و جمال کا مالک نہیں ہے۔ اس
لئے گناہ سے اس کا مقابلہ کرنا نہایت ہی قبیح اور مذموم بات ہے۔ چنانچہ دنیا
میں بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بڑے بڑے عزت و شان والے لوگوں سے گستاخانہ
پیش آنیکو ہر ایک مومن و کافر برا جانتا ہے۔ اور وہ شخص سخت رذیل اور بیمروت
خیال کیا جاتا ہے۔ جو ایسے بڑے لوگوں سے فرومایانہ سلوک کرے۔ بھلا خدائے
خالق زمین و آسمان اور معبود جمیع موجودات کی بارگاہ میں بذریعہ گناہ گستاخی کرنا
کتنی بڑی بات ہے۔ کہ اور اگر اس کی رحمت اسکے غضب پر اور اسکی مغفرت اس کے
عذاب پر سبقت نہ لے جاتی۔ تو زمین مع گناہ کرنیوالے لوگوں کے کانپنے لگتی۔ اور اگر

سو گناہ کرنیوالے شخص کو جس قدر گناہ پر جرأت ہو جاتی ہے۔ اسی قدر ہر ایک قسم
کی آفات کا دروازہ اسپر کھول دیا جاتا ہے۔ پھر کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہوتی
جس کو اس شخص پر جرأت نہ ہو۔ کیونکہ ذکر۔ طاعت۔ صدقہ۔ امر بالمعروف۔
نہی عن المنکر وغیرہ امور بمنزلہ اس قوت کے ہیں۔ جو دفع مرض میں لگی رہتی ہے اور
جب قوت ساکت ہو جاتی ہے۔ تو مرض غالب آجاتا ہے۔ جو موجب ہلاکت
ہو جاتا ہے۔ اس لئے کسی ایسی شے کا ہونا ضروری ہے۔ جو گناہ کو رد یا اسکے
اثر کو زائل کرتی رہے۔ سو حسنات کا پہلو جس قدر قوی ہوگا۔ اسی قدر معاصی کا
مقابلہ کامل طور پر کیا جائیگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں سے ہی ہر ایک قسم کے
مخالف امور کی مدافعت کرتا رہتا ہے۔ اور چونکہ ایمان قول اور عمل کے مجموعہ
کا نام ہے۔ اس لئے جس قدر ایمانی قوت زیادہ ہوگی اسیقدر مدافعت بھی قوی ہوگی ؛؛

فصل

اور منجملہ عذاب گناہ کے ایک یہ ہے۔ کہ گناہ انسان کے ساتھ خیانت کرتے ہیں
کیونکہ ہر ایک شخص اس امر کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ کہ وہ دنیا و آخرت کے متعلق
اپنی منفعت اور مضرت کو سمجھ سکے۔ اور سب سے بڑھکر عالم وہی ہے۔ جو ان امور
کو تفصیل وار زیادہ سمجھتا ہے۔ اور سب سے قوی تر وہ شخص ہے۔ جو اپنے نفس پر قدرت
پاکر اسے منفعت کی طرف لگائے۔ اور مضرت سے باز رکھے۔ اور اس بارے میں لوگوں
کی ہمت اور معرفت اور قدر و منزلت ایک ہی درجہ کے نہیں۔ کیونکہ سب سے بڑھ کر
عارف وہی شخص ہے۔ جو سعادت و شقاوت کے اسباب کا علم رکھتا ہے۔ اور
سب سے زیادہ ہدایت یافتہ وہ شخص ہے۔ جو اسباب سعادت کو برخلاف
اسباب شقاوت کے اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح سب سے بڑھکر احمق وہ شخص ہوگا

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ آدمی جب کسی مصیبت یا تکلیف میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ تو اس کا قلب اور اسکی زبان اور اس کے اعضا سب کے سب اس کی صلاح و فلاح کے بارے میں خیانت کرتے ہیں۔ چنانچہ قلب حقیقت توکل علی اللہ کی طرف ہرگز منجذب نہیں ہوتا۔ اور اس میں انابت۔ اطمینان۔ تضرع۔ تذلل۔ انکسار ہرگز پیدا نہیں ہوتا۔ اور اس کی زبان ذکر الٰہی کے لئے ہرگز حرکت نہیں کرتی۔ اور اگر زبان سے ذکر بھی کرے۔ تو قلب کے ساتھ اس کی موافقت نہیں ہوتی یعنی قلب ذکر کے اثر سے ہرگز متاثر نہیں ہوتا۔ بلکہ ذکر یا دعا محض غفلت اور سہو کی حالت میں اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ اپنے اعضا سے کسی امر کی مدافعت کی مدد چاہے تو اس کے اعضا اس کی بات کو ہرگز نہیں مانتے۔ اس کی مثال بعینہ اس شخص کی سی ہے۔ جو لشکر کو بلا قانون و بلا انتظام یونہی چھوڑ دے۔ اور مطلقاً اس کی خبر گیری نہ کرے۔ پھر کسی دشمن کے مقابلہ کیوقت اس بات کا خواستگار ہو کہ وہ اسکے مقابلہ پر اپنی پوری طاقت صرف کرے۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ اور یہاں ایک سب سے زیادہ خوفناک اور سب سے بڑا ناگوار طبع یہ امر ہے کہ نزع کے وقت ایسے شخص کا قلب اور زبان اس کے ساتھ خیانت کرتے ہیں۔ اکثر ایسے لوگوں کو نزع کیوقت دیکھا گیا ہے کہ انکی زبان پر کلمہ شہادت جاری نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک کو کہا گیا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ تو کہنے لگا۔ آہ میں نہیں کہہ سکتا۔ اور ایک دوسرے شخص کو کہا گیا کہ تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ تو کہنے لگا شاہ رُخ عَلَیْکَ[2] یہ کہکر مر گیا۔ اور ایک دوسرے کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی بابت کہا گیا تو کہنے لگا ؂[1]

یارَبَّ قَائِلَۃٍ یَوْمًا وَقَدْ تَعِبَت   اَینَ الطَّرِیقُ اِلٰی حَمَّامِ مِنْجَاب

اور مر گیا۔ اور ایک اور شخص کو ایسا ہی کہا گیا۔ تو وہ راگ گانے لگا کہ اے فلاں جو تو مجھے کہہ رہا ہے۔ مفید نہیں میں نے کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو نہ کیا ہو۔ یہ کہہ کر مر گیا۔

[1] یہ شعر غلط ہے۔ لہذا اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا ۱۲ مترجم [2] اصطلاح شطرنج ہے۔ مترجم

اور لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ نہ کہا- اور ایک اَور کو ایسا کہا گیا- تو کہنے لگا- کہ مجھے کہنا کچھ
مفید نہیں- اور مجھے علم نہیں- کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے کبھی کوئی نماز پڑھی ہو یہ کہکر
مرگیا اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہ کہا- اور ایک اور شخص کو ایسا ہی کہا گیا- تو کہنے لگا میں
جو تو کہتا ہے- اس سے منکر ہوں- یہ کہکر مرگیا- اور ایک اور شخص کو ایسا کہا گیا تو کہنے لگا
کہ میں جب لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا چاہتا ہوں- تو میری زبان رُک جاتی ہے- اور
ایک اور شخص جو ایک سخت اڑی مار گدا کی موت کے وقت موجود تھا- مجھ سے کہنے
لگا- کہ وہ گدا نزع کے وقت [1] لِلّٰهِ فَلَیْسُ لِلّٰهِ فُـلَیْس کہتے کہتے مرگیا- اور
ایک اور تاجر آدمی نے اپنے ایک رشتہ دار کی موت کی نسبت بیان کیا- کہ وہ اس کی
موت کے وقت اس کے پاس موجود تھا- حاضرین اس کو لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کی
تلقین کرتے- اور وہ بولی کہتا یہ نہیں یہ ٹکڑا سستا ہے- یہی کہتا مرگیا- الغرض اس
قسم کی سینکڑوں باتیں لوگوں کے سامنے گذرتی ہیں- اور نزع والے لوگوں کی حالات
شدت کا وہ کچھ اندازہ نہیں لگا سکتے- اور جبکہ شیطان کسی شخص کے حضور ذہن اور
تمام حواس اور کمال ادراک کی حالت میں اسپر اپنا پورا تسلط کرلے- تو اس کو گناہوں
کی طرف کھینچ لے جاتا ہے- اور اس کے دل اور زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل
کر دیتا ہے- تو بحالت نزع جب کہ قوتیں رہ چکتی ہیں اور قلب اور نفس نزع کی طرف
لگے ہوتے ہیں اور شیطان اپنی پوری قوت اور ہمت اس کے سلب ایمان میں صرف
کرتا ہے- تو اسوقت کی حالت کا ہر ایک عاقل آدمی اندازہ لگا سکتا ہے- کیونکہ
انسان اسوقت نہایت ضعف اور بیخودگی کی حالت میں ہوتا ہے- اور شیطان اپنا
پورا تصرف کرنے پر کامل قدرت رکھتا ہے- اور اسی حالت میں آیہ یُثَبِّتُ اللّٰهُ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ
وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ وَیَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ

[1] فلیس یعنی پول سیاہ کی تصغیر ہے ۱۲ مترجم

نیک لوگ خوف کے وسیع دروں میں چل رہے ہیں۔ تو اس درے میں نہیں چلتا۔
تو نے جہالت سے تخم ریزی کی وقت کو یونہی کھو دیا۔ سو جب لوگ کھیتی کاٹینگے تو کیا حاصل کریگا
۔ یہ تو یہ ہوا پر تیرا دار آخرت سے ایک ناچیز زندگی کی خاطر جس کو تو عنقریب چھوڑ دیگا
بے رغبتی کرنا اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے۔
بھلا بتلا تو ایسی حالت میں آیا بخدا کون شخص بیوقوف ہوگا تو یا وہ شخص جسے بیع
میں یہاں نقصان پہنچ چکا ہے۔ اور تجھے وہ زیان دار آخرت میں اٹھانا ہوگا۔

فصل

اور منجملہ عذاب گناہ کے ایک یہ ہے۔ کہ گناہ عقل کو اندھا کر دیتا ہے۔ اور اگر اندھا
نہ بھی کرے۔ تو اس کی بصیرت کو ضرور ضعیف کر دیتا ہے۔ اور یہ بیان پہلے گذر
چکا ہے۔ کہ گناہ قلب کو ضرور ضعیف کر دیتا ہے پس جب قلب اندھا اور ضعیف ہو گیا
تو اس کی طاقت عرفانی اور اس ہدایت کو اپنے اور غیر میں نافذ کرنیکی قوت بھی
اتنی ضعیف ہو جاتی ہے جتنی کہ اسکی بصیرت اور قوت ضعیف ہو جاتی ہے کیونکہ
کمال انسانی صرف دو اصلوں پر منحصر ہے۔ یعنی اول تو حق کو باطل سے تمیز کرنا دوسرے
اسکے حق کو باطل پر ترجیح دینا۔ اور جس قدر لوگوں کا آپس میں ان ہر دو امور میں باہم
تفاوت ہے۔ اسی قدر ان کے مدارج دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک
متفاوت ہیں۔ اور یہی دو امور ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاءؑ کی
ثنا کی ہے جیسا کہ فرمایا ہے وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي
الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ یعنی اور (اے نبی) ہم تمہارے بندوں (یعنی ابراہیم و اسحق
اور یعقوب کو یاد کرو۔ جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔ پس ہاتھوں سے حق کے
نافذ کرنیکی قوت اور آنکھوں سے امور دین میں دلائل مراد ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے انکی

کمال درجہ کے حق کو پالینے اور اس کے نافذ کرنیکے ساتھ تعریف کی ہے۔ اور اس مقام پر
لوگ چار قسموں پر منقسم ہیں جن ہیں یہ لوگ انبیا علیہم السلام اللہ کے نزدیک اس کی
مخلوق ہیں سب سے اشرف اور افضل ہیں۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو انکے
بالکل برعکس ہیں۔ جن کو نہ امور دین میں بصیرت ہے۔ اور نہ حق کے نافذ کرنیکی قدرت
ہے۔ اور ایسے لوگوں تعداد کثیر ہے جن کا دیکھنا خار چشم اور وبال جان اور عذاب روح
ہے۔ شہر ان سے تنگ ہیں۔ اور نرخ اشیا کو گراں کرتے ہیں۔ اور انکی صحبت سے سوائے
عیب و ننگ کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ تیسری قسم ایسے لوگ ہیں۔ جنکو ہدایت کی
معرفت اور بصیرت تو ہے۔ لیکن وہ ضعیف ہیں۔ اور حق کے نافذ کرنے اور غیر
کو اس کی طرف بلانے کی ان میں قوت نہیں ہے۔ اور یہ حال مومن ضعیف کا ہے
اور مومن قوی اس سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے۔
چوتھی قسم وہ لوگ ہیں۔ جنکو قوت ہمت اور عزم تو ہے۔ لیکن انکی امور دین میں
بصیرت کمزور ہے۔ اولیاء اللہ اور اولیاء الشیطان میں تمیز نہیں کر سکتے۔ بلکہ
ہر ایک سیاہ چیز کو کھجور اور ہر ایک سفید چیز کو چربی ہی سمجھتے ہیں۔ زخم کو چربی اور
دوائے نافع کو زہر سمجھتے ہیں۔ یعنی نیک و بد میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اور ان چار قسموں
میں سے سوائے قسم اول کے کوئی بھی ایسا نہیں۔ جو امور دین میں امامت کی صلاحیت
رکھتا ہو۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ
بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ یعنے اور بنی اسرائیل میں سے
ہم نے پیشوا پیدا کئے تھے۔ جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔ جبکہ انہوں نے
صبر کیا۔ اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے اسباب کی خبر دی
ہے۔ کہ انہوں نے صبر اور یقین کے ذریعہ سے امور دین میں رتبہ امامت کو حاصل
کیا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں۔ جنکو اللہ تعالیٰ نے جمیع نقصان اٹھانیوالوں سے مستثنیٰ کیا ہے

لہ یعنی اپنی کثرت تعداد سے اشیا کی نرخ کو گراں کر دیتے ہیں۔ یا اپنی گناہوں کی نحوست سے خیر و برکت کو زائل کر دیتے ہیں۔۱۲

اور زمانہ کی جو زیاں کاری اور نفع پانیوالوں کی کوشش کا وقت ہے قسم کھا کر بیان کیا ہے
کہ ایسے لوگوں کے ماسوا سب نقصان اٹھانیوالے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے
والعصر ٥ ان الانسان لفی خسر ٥ الا الذین امنوا وعملوا
الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر ٥ یعنی قسم ہے زمانہ کی کہ بیشک
انسان نقصان میں ہے سوا ان لوگوں کے جو ایمان لے آئے۔ اور انہوں نے نیک
کام کئے۔ اور باہم ایکدوسرے کو سچے دین کی پیروی کا حکم دیا اور باہم صبر کرنے کی
نصیحت کی۔ پس ان سے اتنی بات پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ کہ حق کی معرفت حاصل
کرلیں۔ اور اسپر صبر کریں حتی کہ یہ بھی حکم کیا ہے۔ کہ ان میں کا بعض بعض کو سچے دین کی
پیروی کی نصیحت کرے۔ اور اس کا راستہ اسکو دکھائے۔ اور اس کی ترغیب دے
پس جب ان سے ماسوا کوئی بھی ہو۔ وہ نقصان اٹھانیوالوں سے ہے۔ تو یہ بات
معلوم ہو گئی۔ کہ گناہ بصیرت قلب کو اندھا کردیتے ہیں۔ پس وہ حق کو کما ینبغی نہیں
معلوم کرسکتا۔ اور اس کی قوت اور عزم ضعیف ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اسپر صبر نہیں
کرسکتا۔ بلکہ گناہ کبھی قلب پر اس طرح پے درپے آتے ہیں۔ کہ قلب کی قوت مدرکہ
برعکس ہو جاتی ہے جس طرح کہ اس کی خصلت برعکس ہو جاتی ہے۔ سو وہ باطل کو
حق اور حق کو باطل خیال کرتا ہے۔ اور اچھی بات کو بری اور بری کو اچھی سمجھتا ہے
اور اپنی خصلت میں الٹا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور دار آخرت کے سفر سے الٹ
کر ایسے نفوس باطلہ کے قرار کی جگہ کیطرف سفر شروع کردیتا ہے۔ جو اس دنیاوی
زندگی پر ہی راضی ہیں۔ اور اسی پر اطمینان کئے ہوئے ہیں۔ اور اللہ اور اس کی
آیات سے غافل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ملنے کی قابلیت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اگر
گناہوں کی عقوبت میں صرف ایک یہی عقوبت ہوتی۔ تو البتہ یہی ایک گناہ کو چھوڑنے اور
اس سے دوری اختیار کرنیکے لئے کافی باعث تھی۔ اور اللہ ہی سے اس بارے میں

مدد کی استدعا ہے۔ یہ بعینہ اس طرح ہے۔ جس طرح کہ طاعتِ قلب کو جلا اور صیقل کر دیتی ہے۔ اور اس کو قوت اور ثبات دیدیتی ہے۔ حتیٰ کہ قلب آئینہ کی طرح روشن اور صاف ہو کر نور سے پُر ہو جاتا ہے۔ اور جب شیطان اس کے قریب ہوتا ہے تو اسکو اپنے نور سے ایک ایسا شعلہ مارتا ہے۔ جیسا آسمان کی باتیں کان لگا کر چوری سے سننے والے شیاطین کو شہاب ثاقب لگتے ہیں۔ پس شیطان اس قلب سے اسطرح ڈرتا ہے جس طرح شیر سے بھیڑیا ڈرتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرتا ہے حتیٰ کہ ایسے قلب والا شخص شیطان کو پچھاڑ دیتا ہے پس وہ بیہوش ہو کر گر جاتا ہے۔ اور شیاطین اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ اور بعض ان کا بعض سے پوچھتا ہے۔ کہ ان کو کیا ہو گیا۔ تو جواب ملتا ہے۔ کہ اس کو انسان نے مارا ہے۔ اور انسان کی ایک ہی نگاہ نے اس کا کام تمام کر دیا ؎

فیا نظرۃً من قلب حرٍّ منوّرٍ یکادُ لہا الشّیطانُ بالنور یحرقُ

بھلا ایسا قلب اس قلب جیسا ہے جس کی اطراف تاریک ہیں۔ اور خواہشات مختلف ہیں۔ اور شیطان نے اسکو اپنا وطن بنا چھوڑا ہے۔ اور مسکن تیار کر رکھا ہے اور جب وہ صبح کو اٹھتا ہے۔ تو وہ اسکو مبارکباد دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں قربان جاؤں۔ ایسے شخص کے جس کی دنیا اور آخرت میں فلاح ہو گی ؎

قرینُکَ فی الدنیا وفی الحشر بعدہا فانت قرینٌ لی بکلِّ مکانِ
فان کنتَ فی دار الشقاء فاننی وانت جمیعاً فی شقا وھوانِ

میں دنیا میں تیرا ساتھی ہوں۔ اور اس کے بعد حشر میں بھی۔ پس تو میرا ہر جگہ ساتھی ہے۔ اگر تو بدبختی کے گھر میں ہوگا تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ذلت اور شقاوت میں دونوں اکٹھے ہوں گے ؛؛

سلہ اللہ رے قلب منور کی گرم نگاہ جس سے شیطان بھی جل جاتا ہے ۱۲ مترجم

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۔ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ

یعنی اور جو کوئی رحمٰن کی یاد سے غفلت کرتا ہے۔ ہم اسپر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ پس وہ اس کا ہمنشین رہتا ہے۔ اور بیشک یقیناً وہ شیاطین انہیں راہ راست سے روکتے ہیں۔ اور وہ یوں گمان کئے ہوئے ہیں۔ کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں یہانتک کہ جب وہ ہمارے پاس آئیگا اپنے شیطان سے کہیگا۔ کہ اے کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہو جاتا۔ پس کیا تو میرا ہمنشین ہے۔ اور ہم کہیں گے۔ کہ چونکہ تمنے ظلم کیا تہا۔ آج تمہیں یہ بات کہ تم عذاب میں اکٹھے ہو تم کو کچھ فائدہ ندیگی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے۔ کہ جو کوئی اس کے ذکر سے غافل رہیگا۔ اور وہ اس کی کتاب ہے۔ جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی اور اس میں برکت دی۔ پس اس شخص نے اس سے روگردانی کی۔ اور اس کو نہ دیکھا۔ اور اس کی چشم بصیرت اس کے فہم اور تدبر اور اللہ تعالیٰ کی جو اس سے مراد ہے۔ اس سے اندہی ہو گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک شیطان کو اس کی کتاب سے رُوگردانی کرنیکی پاداش میں مسلط کر دیا۔ پس وہ شیطان اس کا ایسا ہمنشین ہو جاتا ہے۔ کہ اٹھتے بیٹھتے کسی حالت میں اس سے جدا نہیں ہوتا۔ اور وہ اس کا بہت ہی بُرا ساتھی اور ہمنشین ہے ؎

رضیعی لبانِ ثدیِ اُمٍّ تقاسما ؛ باسحم داجٍ عوضُ لا نتفرق

وہ ایک ماں کے پستان کے دودھ کے دو شیرخوار ہیں جنہوں نے اندہیری رات کی تاریکی کو بانٹا ہے۔ جو ان سے کبھی علیحدہ نہیں ہو گی ؛

پھر اللہ تعالیٰ نے اسکو اس بات کی خبر دی ہے۔ کہ شیطان اپنے ساتھی کو اس رستہ سے جو جنت کی طرف پہنچانیوالا ہے۔ روکتا ہے۔ اور یہ گمراہ راستہ سے بہکا ہوا یوں سمجھے ہوتا ہے۔ کہ وہ ہدایت کے راستہ پر ہے۔ حتی کہ جب قیامت کے دن دونوں اکٹھے آئیں گے۔ تو ایک دوسرے سے کہیگا۔ اے کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہو جاتا۔ سو تو میرا دنیا میں بہت ہی بُرا ساتھی تھا۔ تو نے مجھکو ہدایت سے بعد اس کے کہ وہ مجھکو پہنچ چکی تھی۔ گمراہ کر دیا۔ اور حق سے روک دیا۔ اور بھلا دیا حتی کہ میں ہلاک ہو گیا۔ اور آج بھی تو میرا بہت ہی بُرا ساتھی ہے اور چونکہ مصیبت زدہ کا جب کوئی اور مصیبت میں شریک ہو جاتا ہے۔ تو اس کی پیروی کی وجہ سے کسی قدر مصیبت کم ہو جاتی ہے۔ اور اس کو کسی قدر تسلی ہو جاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے۔ کہ یہ تخفیف اور تسلی ان لوگوں کو جو عذاب میں شریک ہوں گے۔ ہرگز حاصل نہیں ہو گی۔ اور ساتھی اپنے ساتھی کے عذاب سے ذرہ بھی راحت اور آرام نہیں پائیگا۔ اگرچہ دنیا کی مصائب کا یہ حال ہے۔ کہ جب وہ عام ہو جاتی ہیں۔ تو ایک گونہ اسے تسلی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ خنسا نے اپنے بھائی کی وفات میں کہا ہے ؎

وَلَوْلَا كَثْرَةُ الْبَاكِيْنَ حَوْلِيْ	عَلٰى اِخْوَانِهِمْ لَقَتَلْتُ نَفْسِيْ
وَمَا يَبْكُوْنَ مِثْلَ اَخِيْ وَلٰكِنْ	اُعَزِّيْ النَّفْسَ عَنْهُ بِالتَّاَسِّيْ
اَلَا يَا صَخْرُ لَا اَنْسَاكَ حَتّٰى	اُفَارِقَ عِيْشَتِيْ وَيُوْدَ رَمْسِيْ

یعنی اگر میرے گرد بھائیوں کی قتل پر رونے والونکی کثرت نہ ہوتی۔ تو میں اپنے آپکو قتل کر ڈالتی۔ اور حالانکہ وہ میرے بھائیوں جیسے بھائیوں کی قتل پر نہیں روتے لیکن میں ان کی دیکھا دیکھی اپنے نفس کو تسلی دیتی ہوں۔ آہ اے صخر میں تجھکو نہیں بھولوں گی حتی کہ میں مرجاؤں اور قبر میں داخل ہو جاؤں۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ حت

بھی دوزخیوں پر روکدی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ آج کے دن تمہیں یہ بات کہ تم عذاب میں
شریک ہو جاؤ۔ تمہیں کچھ فائدہ نہیں دیگی۔ کیونکہ تم نے اپنے پر ظلم کیا ہے۔

اور منجملہ عذاب گناہ کے ایک یہ ہے۔ کہ گناہ ایک قسم کی مدد ہوتی ہے جس سے انسان
اپنے دشمن یعنی شیطان کی اپنے برخلاف مدد کرتا ہے۔ اور ایک لشکر ہے۔ جس
کے ساتھ وہ اپنے دشمن کو اپنے برخلاف لڑائی میں مدد دیتا ہے۔ اور یہ اسطرح پر ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک دشمن کے ساتھ مبتلا کیا ہے۔ جو اس سے ایک لحمہ
بھر بھی علیحدہ نہیں ہوتا۔ یہ سوجاتا ہے لیکن وہ نہیں سوتا۔ یہ اس سے غافل ہو
جاتا ہے۔ لیکن وہ اس سے غافل نہیں۔ وہ اور اس کا کنبہ اسے اس طرح دیکھتا
ہے۔ کہ یہ اُسے نہیں دیکھ سکتا۔ اور ہر حال میں اس کی دشمنی میں اپنی ساری کوشش کو خرچ کرتا
ہے۔ اور کوئی دقیقہ جس سے کہ اس کو دھوکا دے سکے۔ اور اس کی طرف پہنچانے میں
اسپر قادر ہو سکے اُٹھا نہیں رکھتا۔ اور اس کے برخلاف وہ اپنے ہم جنس شیطان آدمیوں
اور شیطان جنوں سے مدد لیتا ہے۔ پس اس کے لئے جال لگائے ہوئے اور ہلاکت
کے گڑھے کھودے ہوئے اور اس کے ارد گرد جال پھیلائے ہوئے موجود رہتا ہے
اور اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے۔ کہ ضرور اپنے اور اپنے باپ کے دشمنوں کو ہرگز جانے
ندینا۔ خبردار! کہیں تمنے اُسے کھو ندینا۔ اور اس کا حصہ جنت تمہارا حصہ دوزخ
اس کا حصہ رحمت اور تمہارا حصہ لعنت نہ ہو جائے۔ حالانکہ تم یہ بات اچھی طرح
سمجھے ہوئے ہو۔ کہ یہ پھٹکار اور لعنت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مجھکو اور تجھکو
دُوری اسی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ پس تم اپنی کوشش کر اس بات کو میں خرچ کرو۔ کہ
وہ یعنی انسان ہمارے ساتھ اس بلا میں شریک ہو جاوے۔ کیونکہ تم ان کے نیک بندوں
کی جنت میں مصاحبت سے محروم رکھے گئے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے اس
بات کو جانا۔ کہ آدم اور اس کی اولاد ایسے دشمن سے مبتلا ہو گی جو اُسپر مسلط کیا گیا

ہے۔ تو اس کو ایک مددگار دیا جس کے ساتھ وہ اپنے دشمن سے مقابلہ کریں اور
ان کے دشمن کو بھی ایک لشکر مددگار دیا جس کے ذریعہ سے وہ انکا مقابلہ کرے
سو اس دنیا میں مدت العمر جہاد قایم رہتا ہے۔ حالانکہ یہ دنیا بمقابلہ آخرت کی بمنزلہ
ایک نفس کے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے نفسوں اور مالوں کو
اس بات پر مول لیا ہے۔ کہ ان کیلئے جنت ہے۔ وہ اللہ کے راہ میں لڑتے ہیں
پس مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔ اور اس بات کی خبر دی ہے۔ کہ اس وعدہ کی
بابت اُسنے اپنی اشرف کتابوں یعنی تورات۔ انجیل اور قرآن مجید میں تاکید ہے
پھر اس بات کی خبر دی ہے کہ اس سے بڑھکر اور بھی اس سے زیادہ وعدہ کو وفا کرنیوالا
نہیں ہے۔ اور پھر انکو حکم دیا ہے۔ کہ اس بیع میں خوشی ظاہر کریں۔ اور جو کوئی اس
معاملہ کی قدر جاننے کا خواہاں ہو۔ تو اس کو چاہیئے۔ کہ خریدار کی طرف دیکھے۔ کہ وہ
کون ہے؛ اور قیمت کی طرف دیکھے۔ جو اس اسباب کے خریدنے میں خرچ کی۔ اور
اس کی طرف جس کے ہاتھ پر یہ معاملہ ہوا۔ پس اس سے بڑھکر کونسی کامیابی ہے۔ اس سے
زیادہ فائدہ مند کونسی تجارت ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس امر کی اپنے قول سے
تاکید کی ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ
أَلِيمٍ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ
ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ۝ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝
یعنی اے ایمان والو کیا تمہیں میں ایسی تجارت کا پتہ دوں۔ جو تمہیں ایک دردناک
عذاب سے بچالے۔ وہ یہ ہے۔ کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ اور اللہ
کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم

جانتے ہو اگر تم ایسا کرو گے۔ تو اللہ تمہارے گناہوں کو بخشدیگا۔ اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ اور پاکیزہ مکان میں داخل کریگا جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں بنے ہوئے ہیں۔ یہ ایک بڑی کامیابی ہے۔ اور ایک دوسری بات ہے جسکو تم دوست رکھتے ہو۔ وہ اللہ کی مدد اور نزدیک کی فتح ہے۔ اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو؛

اللہ تعالیٰ نے اس دشمن یعنی شیطان کو اپنے مومن بندہ پر جو اسکی ساری مخلوقات سے اس کو زیادہ پیارا ہے مسلط نہیں کیا۔ مگر اس سبب سے کہ جہاد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی محبوب چیز اور جہاد کرنیوالا شخص اس کے نزدیک مرتبہ کے لحاظ سے اس کی مخلوق میں سب سے بلند ہے پس اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کا جھنڈا اپنی مخلوقات میں سے ایک گرامی قدر مخلوق کے ہاتھ میں دیا ہے۔ جس سے مراد مومن کا قلب ہے۔ جو اللہ کی معرفت۔ محبت۔ عبودیت۔ اخلاص۔ توکل اور انابت کا محل ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کا کام اس کے سپرد کیا ہے۔ اور اس کی ملائکہ کے ایک ایسے لشکر کے ساتھ مدد کی ہے۔ جو اس سے جدا نہیں ہوتے۔ اس کے لئے نگہبان فرشتے ہیں۔ جو اس کے آگے پیچھے اللہ کے حکم سے اس کی نگہداشت کرتے ہیں۔ جب کبھی لشکر آتا ہے۔ تو بعض ان کا بعض کے پیچھے آتا ہے۔ اور کوئی جب چلا جاتا ہے تو اس کا بدل دوسرا آجاتا ہے۔ وے اس کو ثابت قدم رکھتے ہیں۔ اور اس کو نیکی کا حکم کرتے ہیں۔ اور اس پر اس کو ترغیب دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جو اس کی عزت کریگا۔ اسی کا اس کو وعدہ دیتے ہیں۔ اور اس کو صبر کرنیکے لئے کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک گھڑی کے صبر کے بدلے ابدی راحت ملیگی۔ صرف اتنا ہی نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک دوسرے لشکر یعنی اپنے وحی اور کلام سے اس کی مدد کی ہے سو اسکی طرف اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا ہے۔ اور اپنی کتاب کو نازل

کیا ہے۔ پس اس سے اسکی قوت کو اور قوت اور مدد کو اور امداد اور سامان پر سامان
ریل گیا ہے۔ لیکن اس نے اسپر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس کو عقل بطور ایک وزیر اور
مدبر کے اور معرفت بطور ایک ناصح اور صلاح کار کے اور ایمان اس کو ثابت قدم رکھنے والا
اور مددگار اور یقین کو حقیقۃ الامر کے ظاہر کرنیوالا دیا ہے۔ حتی کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ
نے اپنے دوستوں اور پیروؤں کو اس کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے پر وعدہ دیا ہے
اسکو وہ گویا اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے پس عقل اس کے لشکر کے معاملہ کو درست
کرتی ہے۔ اور معرفت لڑائی کے کاروبار اور اسکے اسباب اور اسکے مناسب
موقعوں کا انتظام کرتی ہے۔ اور ایمان اس کو ثابت قدم رکھتا ہے۔ اور اس کو
قوت اور صبر دیتا ہے۔ اور یقین اس کو آگے بڑھاتا ہے اور اس سے سچے
حملے کرواتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اس جہاد کو قایم کرنیوالی قوتی
ظاہری اور باطنی سے اس کی مدد کی ہے پس آنکھ کو اس کا جاسوس۔ کان کو ایلچی۔
زبان کو ترجمان اور ہاتھ پاؤں کو مددگار بنایا ہے۔ ملائکہ اور حاملان عرش کو اس کے
استغفار پر مقرر کیا ہے۔ جو اسکے لئے یہ دعا کرتے ہیں۔ کہ بدیوں سے بچے۔ اور اللہ تعالیٰ
اس کو جنت میں داخل کرے۔ اور اس سے دشمنوں کو روکنا اور دفع کرنا اللہ تعالیٰ
نے خاص اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ چنانچہ انکو اپنے لشکر کے ممتاز ناموں سے پکارا
ہے۔ اور فرمایا کہ اللہ کے گروہ ہی کو فلاح ہے۔ اور اسی کا لشکر غالب ہے۔ اُسے
لڑائی اور جہاد کی کیفیت بھی سکھلادی ہے چنانچہ اس بیان کو ان کئے چار
کلموں میں جمع کردیا ہے۔ سو فرمایا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا
وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ یعنی ایمان والو دین کی تکلیفوں پر صبر کرو۔ اور دشمن
کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو۔ اور سرحد پر دشمنوں کی روک تھام کے لئے مستعد رہو
اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اللہ سے ڈرو۔ تاکہ تم رستگاری پاجاؤ۔ اور یہ ظاہر ہے

کہ جہاد کا معاملہ ان چار امور کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ پس صبر پورا نہیں ہو سکتا جبتک
کہ دشمن سے صبر نہ کیا جاوے۔ یعنی اس کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ اور اس کے برابر میدان
جنگ میں اُتر نہ آئے۔ پس جب دشمن کا مقابلہ آپڑا تو ایک دوسرے امر کی حاجت آن
پڑی۔ اور وہ مرابطہ ہے یعنی مملکتِ قلب کی سرحدی چوکی لازم پکڑنا۔ اور اس کی حفاظت
کرنا تاکہ اس کی راستہ سے دشمن نہ آگھسے۔ اور آنکھ۔ کان۔ ناک۔ پیٹ۔ ہاتھ پاؤں
وغیرہ کی رخنہ بندی کرنا مراد ہے۔ کیونکہ یہ ایسے رخنے ہیں۔ کہ ان کے ذریعہ سے دشمن
داخل ہو کر ملک کے اندرونی حصہ کی حالت پر آگاہ ہو جاتا ہے۔ اور جتنا اس سے
ہو سکتا ہے۔ ان میں خرابی پیدا کر دیتا ہے۔ پس مرابطت سے ان رخنوں کی ہمیشہ
حفاظت رکھنا۔ اور ان کی جگہ کو کبھی خالی نہ چھوڑنا مراد ہے۔ تاکہ کہیں چوکی کو خالی
پاکر اس سے دشمن اندر نہ گھس آئے۔ دیکھو تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ
نبیوں اور رسولوں کے بعد مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں۔ اور شیطان مردود سے
ان کی سب سے زیادہ نگرانی اور حفاظت کیا کرتے۔ مگر انہوں نے بھی جب اُحد کی
دن جس جگہ کے لازم پکڑنے کا ان کو حکم ہوا تھا چھوڑ دیا۔ تو اس جگہ سے دشمن داخل ہو
گیا۔ اور اس کا جو نتیجہ ہوا سو ہوا۔ پس ان تینوں امور کا اصل اصول اور ان کا
ستون جس سے کہ یہ تینوں قایم رہ سکتے ہیں۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ہے۔
پس تقویٰ کے سبب سے ہی صبر و مصابرت اور مرابطت فائدہ دیتی ہیں۔ اور تقویٰ
صبر کے سہارے سے ہی قایم رہ سکتا ہے۔ سو اب تو اپنے میں دو لشکروں کے ملنے۔ اور
ان کے ایک دوسرے کے مقابلہ کو دیکھہ کر کہ کس طرح پر کبھی ایک اور کبھی دوسرا تیسرے
برابری باری سے آتے ہیں۔ کافروں کا بادشاہ اپنے لشکروں کے ساتھ آیا۔ تو اُسنے
قلب کو اپنے قلعہ میں تختِ سلطنت پر بیٹھے ہوئے پایا۔ اور دیکھا کہ اس کا حکم اس
کے سرداروں اور لشکروں میں نافذ ہوتا ہے۔ جو اس کے ساتھ قلعہ میں بیٹھے ہیں

پہنچو گے۔ کیونکہ میں نے نظر بد سے بڑھکر کسی چیز کے ساتھ بنی آدم کو نہیں بگاڑا۔
میں اس کے قلب کے ذریعہ سے قلب میں شہوت کا بیج بو دیتا ہوں۔ اور آرزو کے
پانی کے ساتھ اس کو پالتا ہوں۔ اور ہمیشہ اسکو وعدہ دیتا اور اس کی آرزو کو بڑھاتا
رہتا ہوں حتی کہ اس کے ارادہ کو مضبوط کر دیتا ہوں۔ اور شہوت کی باگ کے ساتھ
اس کو عصمت سے کھینچکر علیحدہ کر لیتا ہوں۔ پس اس رخنہ کے کام کو ہرگز بیکار نہ رہنے
دینا۔ اور جہانتک تمہارا بس چلے۔ اس کو بگاڑ دو۔ اور اس کے کام کو اسپر آسان کر دو
اور اس سے کہو کہ جتنی نظر تجھ کو خالق رازق کی تسبیح اور اسکی صنعت میں تامل اور جمیل
جاننے کی طرف بلاتی ہے۔ اسی قدر اس صورت کا حسن بھی تجھکو اس کی طرف بلاتا
ہے۔ کہ صورت اسی واسطے پیدا کی گئی ہے۔ کہ دیکھنے والا اس کے ذریعہ سے اپنے
رب کو پہچانے۔ اللہ تعالیٰ نے تیری آنکھیں بیکار پیدا نہیں کی ہیں۔ اور نہ ہی یہ صورت
اس نے پیدا کی ہے۔ کہ اسکو آنکھوں سے چھپایا جاوے۔ اور اگر تم اس کے ذریعہ
سے کسی کم علم بے عقل پر قابو پالو۔ تو اس سے کہو۔ کہ یہ صورت تو مظاہر حق کا ایک
مظہر ہے۔ اور اس کی تجلی کی جگہ ہے۔ پس اس کو قول بالاتحاد کی طرف بلاؤ۔ اور اگر
یہ قبول کرلے۔ تو قول حلول العام و الخاص کی طرف بلاؤ۔ اور یہ منوائے بغیر اس
سے باز نہ رہنا۔ کیونکہ وہ اس کے ذریعہ سے عیسائیوں میں سے ہو جائیگا۔ پس اب
اس کو عفت۔ حفاظت۔ عبادت اور دین دنیا سے بے رغبتی کا حکم دو۔ اور جاہلوں
کو اس کا شکار بنا دو۔ پس ایسا شخص میرے خلیفوں میں سے سب سے زیادہ مقرب
خلیفہ ہے۔ اور میرے لشکریوں میں سب سے بڑا ہے۔ بلکہ میں اسکا ایک لشکری اور اسکا رہبر ہوں
پھر ابلیس اپنی ذریات کو یوں حکم دیتا ہے۔ کہ اس شخص کے کان کو حق کے سننے سے روکدو
تاکہ تمہارے القا کئے ہوئے خیالات میں فرق نہ آنے پائے۔ اور حتی الوسع یہ کوشش کرو
کہ بجز باطل اور لغو کے اس کے اندر کوئی بات داخل نہ ہو۔ کیونکہ نفس بالطبع باطل کے

ضعیف العقل ہوتے ہیں۔ کسی حقیقت کو ایک خاص لفظ کی صورت میں تو قبول کر لیتے ہیں۔ اور جب وہی حقیقت کسی دوسرے لفظ میں پیش کی جائے تو اسکا انکار کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آیہ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا میں اس قسم کے استعمال کو زخرف کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے قول باطل مُراد ہے ؎

مختصر یہ کہ شیطان انسان کے سوراخ گوش سے اس طرح لگا ہوا ہے۔ کہ بجز باطل کے کسی چیز کو اندر نہیں گھسنے دیتا۔ اور اگر اتفاقاً کوئی حق کی بات اندر چلی بھی جائے۔ تو وساوس اور شکوک سے اس کو بگاڑ دیتا ہے نعوذ باللہ اور سنو! پھر انہیں یوں پٹی پڑھاتا ہے۔ کہ اس کی زبان کی حد پر کھڑے ہو جاؤ۔ کیونکہ زبان مملکتِ قلب کی بڑی حد ہے۔ سو تمہیں چاہیئے۔ کہ مضر اور غیر مفید کلمات کو اس پر جاری کرو۔ اور کسی سود مند کلمہ کو اس پر جاری مت ہونے دو۔ یعنی ذکر استغفار تلاوت اور نصیحت العباد یا کسی نافع علم کی بات کا بولنا رد کرو۔ اور دو بھاری اثروں میں سے جس اثر ڈالنے کا تمہیں موقع ملے۔ اس میں کوتاہی مت کرو۔ اوّل کلام باطل کا بولنا۔ کیونکہ کلام باطل کا بولنے والا شخص تمہارا مددگار اور ساتھی ہے۔ دوم اظہار حق سے چپ رہنا۔ کیونکہ اظہار حق نکرنیوالا شخص ہی تمہارا گونگا بھائی ہے۔ جیسے باطل کلام کا بولنے والا تمہارا ناطق بھائی ہے اور اظہار حق نہ کرنیوالا شخص شیطان اخرس ہے۔ سو تمہیں چاہیئے۔ کہ اس شخص کی زبان پر جو مملکت قلب کی ایک حد ہے۔ خوف۔ محافظت کرو۔ تاکہ وہ حق بات نہ کہنے پائے اور باطل کے کہنے سے نہ رُکے۔ اور جس طرح ہو سکے باطل کلام کے بولنے کو اس کے سامنے مزین بناؤ۔ اور اظہار حق سے ڈراؤ۔ اور تمہیں جان لینا چاہیئے۔ کہ آدمی کی زبان ہی ایک ایسا عضو ہے۔ جس کے ذریعہ بنی آدم منہ کے بل جہنم میں گرائے

جائیں گے۔ سو مجھے (شیطان) اس زبان کے ذریعہ سے اکثر لوگوں کے قتل کرنے
اور قید کرنے اور زخمی کرنے کا موقع ملا ہے۔ اور میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ اور
تم خوب یاد رکھو۔ کہ تم میں سے ایک تو بولنے والے آدمی کی زبان پر کلمات باطلہ
جاری کرے اور دوسرے کو چاہیئے۔ کہ وہ سننے والے شخص کی زبان پر تحسین و آفرین
کا کلمہ جاری کرے۔ اور اس سے اظہار تعجب اور بولنے والے سے دوبارہ بولنے
کی استدعا کرے۵۔ الغرض ہر ایک ممکن طریق سے بنی آدم کی اعانت کرو۔ اور جس
طرح ہو سکے۔ جو اس کے راستہ سے ایسی ہی باتیں داخل کرو۔ اور ہر ایک موقعہ پر
گھات لگائے بیٹھے رہو۔ کیا تم میری اس قسم کو بھول گئے۔ جو میں نے ان کے خدا
کے سامنے بدیں الفاظ کھائی تھی فَبِمَا اَغْوَيْتَنِي لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ
ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ
وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ٭ کیا تم مجھے نہیں دیکھتے۔ کہ میں
بنی آدم کے تمام راستوں پر بیٹھتا ہوں۔ اور کسی راستہ کو خالی نہیں چھوڑتا۔ حتی
کہ میں اپنے حسب منشا ان کی راہزنی کرتا ہوں۔ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے انہیں میری بابت ڈرایا ہے۔ اور یوں ارشاد فرمایا ہے ان الشیطان قعد
قعد بطرقہ کلہا قعد لہ بطریق الاسلام فقال لہ اتسلم وتذر دینک
ودین ابائک فخالفہ واسلم فقعد لہ بطریق الھجرۃ فقال اتھاجر
وتذر ارضک وسمائک فخالفہ وھاجر ثم قعد لہ بطریق الجھاد
فقال اتجاھد فتقتل فیقسم المال وتنکح الزوجۃ فخالفہ فجاھد فہکذا
یعنی شیطان انسان کے تمام رستوں پر گھات لگائے بیٹھا ہے۔ جب وہ اسلام
لایا چاہتا ہے۔ تو اسے کہتا ہے۔ کہ کیا تو اپنا اور اپنے آبا و اجداد کا دین چھوڑ دیگا
وہ شخص اس کے قول کی مخالفت کرتا ہے۔ اور اسلام کو قبول کر لیتا ہے پھر اسکو

۵ جیسے مشاعروں میں گنے سے مضامین پر لوگ ایسا کرتے ہیں ۱۲ مترجم

ارادۂ ہجرت سے یوں روکتا ہے۔ کہ کیا تو اپنے وطن کو چھوڑیگا۔ وہ شخص اس کی
مخالفت کرتا ہے۔ اور ہجرت اختیار کرلیتا ہے۔ پھر جہاد سے اس کو یوں روکتا
ہے۔ کہ کیا تو جہاد کرکے قتل ہوگا۔ اور تیرا مال تقسیم کیا جائیگا۔ اور تیری بیوی سے کوئی
غیر نکاح کریگا اور وہ شخص اس کی مخالفت کرتا ہے۔ اور خدا کی راہ میں جہاد کرتا
ہے۔ علی ہذا القیاس۔ سو تمہیں چاہیئے۔ کہ بنی آدم کے ہر طریقِ خیر پر تم گھات لگائے
بیٹھے رہو۔ جب کوئی صدقہ اور خیرات کا ارادہ کرے۔ تو اس کو یہ خیال یاد دلا کر
روک دو۔ کہ کیا تو مال صرف کرکے مفلس بننا چاہتا ہے۔ اور سائل کی طرح تو بھی
بھیک مانگیگا۔ اور کیا تم نے سُنا نہیں۔ کہ میں نے ایک شخص کی زبان پر جبکہ
ایک سائل اس کے پاس آیا یہ الفاظ جاری کرائے تھے۔ کہ اگر ہم اس طرح سائلین
کو دینے لگیں۔ تو ہم بھی تمہاری طرح محتاج ہو جائینگے۔ اور ارادہ حج سے یوں
باز رکھو۔ کہ راستہ خوفناک ہے۔ اور جان و مال کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ علیٰ
ہذا القیاس۔ تمام نیکی کے راستوں سے انہیں نفرت دلاؤ۔ اور اس کی مشکلات انکے
سامنے لاکر باز رکھو۔ پھر گناہ اور معصیت کو ان کے نزدیک خوب مزیّن کرو۔ اور
اس بارے میں عورتوں کو اپنا خوب مددگار بناؤ۔ اور انہیں کے ذریعہ سے بنی
آدم کی راہزنی کرو۔ کیونکہ عورتیں اس غرض کے پورا کرنیکے لئے نہایت موزون ہیں[1]
پھر تم بنی آدم کے ہاتھ اور پاؤں کو روک دو تاکہ تمہاری مرضی کے برخلاف کسی
کام میں حرکت نکریں۔ اور خوب جان لو۔ کہ ان امور کی سرانجام دہی میں تمہیں جو
چیز معین اور مفید ہو سکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم انہیں ان کے نفس امارہ کے ساتھ
مصالحت کرنے پر مجبور کرو۔ سو اس طرح تم ان کے نفوس کی اعانت کرو۔ اور اپنے
کام کے پورا کرنیکے لئے ان سے مدد طلب کرو۔ اور نفس مطمئنہ کے ساتھ انہیں
مخالفت پر آمادہ رکھو۔ اور اس کے زور اور طاقت کو توڑ دو جس کی صورت یہ ہوگی

[1] کما قیل۔ اِنَّ النِّسَاءَ حَبَائِلُ الشَّیْطَانِ ۱۲ مترجم

ہے۔ کہ خیر وسعادت کے مواد کو اس سے قطع کردو۔ کیونکہ اس صورت میں امارہ قوی ہو جائیگا۔ اور اس کے قوٰی تمہاری اطاعت کریں گے۔ اور قلب مومن کو مرکز ایمان سے ہٹانے کی کوشش کرو۔ تاکہ وہ اپنے عمل سے معزول ہو کر امارہ کا مغلوب ہو جائے۔ اس صورت میں امارہ تمہارے حسب منشا حکومت کرنے لگیگا۔ اور یقیناً تمہارے برخلاف کوئی عمل نہیں کریگا۔ بلکہ بمجرد تمہارے اشارہ کرنیکے جھٹ ارتکاب پر آمادہ ہو جائیگا۔ اور اگر تمہیں معلوم ہو کہ قلب مومن امارہ کے ساتھ منازعت کرتا ہے۔ اور تمہیں یہ مطلوب ہو۔ کہ قلب کی منازعت رک جائے تو تم قلب اور نفس کو باہم رفیق بنا دو۔ اور نفس کو حسن وجمال کے زیور سے آراستہ کرکے ایک دلفریب عروس کی صورت میں جلوہ گر کرو۔ اور قلب کو اس عروس کی لذتِ وصال کا ذوق دلاؤ۔ اور اس کو اس طرف متوجہ کرو۔ کہ لو جس طرح تمنے لڑائی میں تیر وشمشیر کی تلخی چکھی تہی۔ اسی طرح اس لذت سے بھی متمتع ہو لو۔ اور نفس کے ساتھ اس مصلحت کی لذت اور اس کی مخالفت کی تلخی میں مقابلہ کرکے دیکھو۔ اور آئندہ اس مخالفت سے باز آؤ۔ کیونکہ نفس کی مخالفت کا معاملہ کوئی ایک دن کی بات نہیں ہے۔ بلکہ اس کا سلسلہ مرنے تک جاری ہے۔ اور اگر تم نے نفس کی ایسی ہی مخالفت جاری رکھی تو تمہارے قوٰی ضعیف ہو جائینگے۔

میرے بیٹو! دو لشکروں کو ہمیشہ اپنا مددگار بنائے رکھو۔ اول لشکر غفلت یعنی بنی آدم کو اللہ تعالیٰ اور دارِ آخرت سے غافل بنا دو۔ کیونکہ غفلت تمہاری غرض کے پورا کرنے کے لئے ایک نہایت عمدہ ذریعہ ہے۔ دوم لشکر شہوت یعنی لذائذ کو ان کے دلوں میں اچھا ظاہر کردو۔ اور ان کی آنکھوں میں مزین بنا دو۔ اور انہیں ہر دو کی مدد سے تم ان پر حملہ کیا کرو۔ کیونکہ ان سے بڑھ کر اور کوئی کارگر حیلہ نہیں۔ اور تمہیں چاہیئے کہ غفلت کے ساتھ شہوت کی۔ اور شہوت کے ساتھ

نفس کو ہرگز نہیں روک سکتا۔ اس لئے تمہیں چاہیئے۔ کہ اس کے غضب اور شہوت
کو باہم ایک دوسرے کا مددگار بنا دو۔ اور اس کو غضب کے دروازہ سے شہوت
کی طرف اور شہوت کے راستہ سے غضب کی طرف لانیکی کوشش کرو۔ اور یاد رکھو
کہ غضب اور شہوت تمہاری کامیابی کے دو آلہ ہیں۔ کیونکہ شہوت ہی آدم علیہ السلام
کے جنّت سے نکلنے کا باعث تھی۔ اور غضب ہی کے ذریعہ آدم میں باہم عداوت کا
سلسلہ قایم ہوتا ہے۔ جس سے قطع رحم اور خونریزی تک نوبت پہنچتی ہے۔ اور غضب
ہی سے آدم علیہ السلام کے بیٹے نے دوسرے بھائی کو قتل کیا تھا۔ اور یاد رکھو کہ انسان
کے قلب میں غضب بمنزلہ ایک چنگاڑی کے ہے۔ اور شہوت آگ ہے۔ جو اس کے
تنورۂ قلب میں مشتعل ہوتی ہے۔ اور یہ آگ پانی نماز ذکر تکبیر سے بجھائی جا سکتی
ہے۔ سو تمہیں چاہیئے۔ کہ اسے غضب اور شہوت کے وقت وضو اور نماز وغیرہ کا
موقعہ نہ دو۔ کیونکہ یہ چیزیں غضب اور شہوت کی آگ کو بجھا دیتی ہیں۔ اور ان کے
پیغمبر نے انہیں ایسے حالات میں ان باتوں کا حکم دیا ہے۔ اور یوں فرمایا ہے۔
اِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَۃٌ فِیْ قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ اَمَا رَاَیْتُمْ مِنْ اِحْمِرَارِ عَیْنَیْہِ
وَاِنْتِفَاخِ اَوْدَاجِہٖ فَمَنْ اَحَسَّ بِذٰلِكَ فَلْیَتَوَضَّاْ یعنی غضب انسان کے
دل میں ایک آگ کی چنگاری ہے۔ کیا تم اس کی آنکھوں کی سرخی اور اس کی گردن کی
رگوں کا پھول جانا نہیں دیکھتے۔ جو شخص اپنی ایسی حالت محسوس کرے تو اُسے چاہیئے
کہ وضو کرے۔ اور پھر فرمایا اِنَّمَا تُطْفَی النَّارُ بِالْمَآءِ یعنی آگ پانی سے بجھائی
جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں وصیّت کی ہے۔ کہ صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ
مدد حاصل کرو۔ سو تمہیں چاہیئے۔ کہ بنی آدم کی ان چارہ جوئیوں کے درمیان حائل ہو
جایا کرو۔ اور انہیں یہ باتیں بھلا دو۔ اور شہوت و غضب کے ساتھ ان کی اعانت
کرو۔ کیونکہ تمہارا عمدہ سے عمدہ سلاح غفلت اور ہوائے نفس ہو سکتے ہیں اور بنی آدم

چھوڑ دیتا ہے۔ اور بگاڑ دیتا ہے۔ اور ہلاک کر دیتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص یوں کہنے لگے۔ کہ انسان اپنے نفس کو کیسے بھول سکتا ہے۔ کیونکہ جب اپنے نفس کو بھول گیا۔ تو پھر اور کونسی چیز ہوگی جس کو وہ یاد رکھ سکیگا۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ بیشک انسان اپنے نفس کو پورا پورا بھول سکتا ہے ؛ وَلَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰاهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ
یعنی اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ۔ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ پس اللہ نے ان سے انکے نفسوں کو بھلا دیا۔ یہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں "۔ سو جب ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا۔ اللہ نے انہیں بھلا دیا (یعنی اپنی رحمت سے محروم کر دیا) اور ان سے ان کے نفسوں کو بھلا دیا۔ جیسے وہ خود فرماتا ہے۔ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ یعنی تبارک و تعالیٰ نے اس شخص کو جو اس سے بھول جاتا ہے۔ دو طرح پر عذاب کرتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس شخص کو بھلا دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے شخص سے اس کے نفس کو بھلا دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندہ کو بھلا دینے کی یہ کیفیت ہے۔ کہ وہ اسے کھلا چھوڑ دیتا ہے۔ اور اسے ضائع کر دیتا ہے جس سے اس کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔ اور اس شخص سے اس کے اپنے نفس کو بھلا دینے سے یہ مراد ہے کہ لذّات روحانیہ اور اسباب سعادت اور صلاح و فلاح کے وسایل کی طرف سے اسے ایسا غافل بنا دیتا ہے۔ کہ وہ شخص نہ تو کبھی ان کا دل میں خیال کر سکتا ہے۔ اور نہ زبان سے کبھی ذکر کرتا ہے۔ اور نہ ان کے حصول کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ جس چیز کا اس کو خیال تک نہیں آتا۔ تو وہ اس کے حصول کا قصد کیسے کر سکیگا۔ اور نیز اس شخص سے اس کے نفس کو بھلا دینے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ وہ شخص نفس کے عیوب اور آفات سے بالکل غافل ہو جاتا ہے جنکے

نعمتوں کو روک دیتا ہے۔ کیونکہ موجودہ نعمتوں کی محافظت اور آئندہ آنیوالی نعمتوں کے حصول کیلئے طاعت الٰہی جیسا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کیلئے ایک سبب اور ایک آفت پیدا کی ہے۔ سبب تو اس کے حصول کا باعث ہوتا ہے اور آفت اس کو ضائع کر دیتی ہے۔ سو اس نے طاعت کو سبب نعمت قرار دیا ہے اور معصیت کو آفت نعمت بنایا ہے۔ اس لئے جب وہ کسی اپنے بندے کی نعمت کو اس کے پاس رکھنا چاہتا ہے۔ تو اس کے دل میں اپنی اطاعت کا خیال ڈال دیتا ہے۔ اور جب اس نعمت کو اس سے زائل کرنا چاہتا ہے تو اسے بے مدد چھوڑ دیتا ہے حتی کہ وہ معصیت میں پڑ جاتا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ انسان اس اصل کلی کی اپنی ذات اور دوسرے لوگوں کی نسبت تصدیق کر کے اس کی صداقت کا پورا یقین رکھتا ہے۔ مگر اپنی غلط فہمی سے وہ اپنے تئیں اس اصل کے حکم سے مستثنیٰ سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ اصل عام اور بلا تخصیص تمام بنی نوع کے لئے یکساں طور پر جاری ہے۔ سو اس سے بڑھ کر اور کیا نادانی ہوگی۔ اور کونسا بڑا بھاری ظلم ہوگا۔ جو انسان اپنی ذات پر خود عائد کرتا ہے۔ والحکم للہ العلی الکبیر۔

فصل

اور منجملہ عذاب گناہ کے ایک یہ ہے۔ کہ گناہ کرنے والے آدمی سے اسکے خیر خواہ اور ناصح شفیق احباب سب دور ہو جاتے ہیں۔ اور ملک موکل یعنی وہ فرشتہ جو اسے سعادت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بدخواہ اور دشمن لوگ اس سے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور سب سے بڑا ضرر رساں دشمن یعنی شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ کیونکہ آدمی جب گناہ کرتا ہے۔ تو اس گناہ کی حیثیت کے مطابق سعادت کا فرشتہ اس سے دور ہو جاتا ہے۔ حتی کہ جھوٹ بولنے

اس کے گناہ کی بو کی وجہ سے ایک میل کی مسافت پر اس سے دُور چلا جاتا ہے۔ سو
جب ایک جھوٹ کا یہ نتیجہ ہے تو کبائر کے مرتکب کا یہ حال کیا ہوگا۔ چنانچہ بعض
بزرگان سلف سے مروی ہے۔ کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے مذکر شخص سے فعل شنیع
کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو زمین خدا کی شور کرتی ہے۔ اور ملائکہ بھاگ کر بحضور رب
العلمین اس سخت ناہنجار فعل کی شکایت کرتے ہیں۔ اور بعض بزرگان سے یوں مروی
ہے۔ کہ جب صبح ہوتی ہے تو ملک اور شیطان ہر دو انسان کی طرف سبقت کرتے
آتے ہیں۔ اگر اسوقت وہ اللہ کے ذکر یا تسبیح و تہلیل میں مشغول ہو جائے۔ تو وہ
ملک شیطان کو راندہ کر دیتا ہے۔ اور اس آدمی سے دوستی کرتا ہے۔ اگر بلا ذکر
اُٹھے تو ملک اس سے دُور ہو جاتا ہے۔ اور شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے
اور ملک سعادت ہمیشہ انسان سے قریب ہوتا رہتا ہے۔ حتی کہ انسان پر اسکا
تصرف اور غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور سعادت کے تمام کام اس سے ظاہر ہونے لگتے
ہیں۔ اور ملائکہ اس کی مدت زندگی میں اور نیز بعد از مرگ و در روز حشر اس کے ساتھ
رہتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا
تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ
الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ
بیشک وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے۔ پھر وہ اس اقرار پر
ثابت قدم رہے۔ تو ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے نازل ہوتے ہیں۔
کہ تم مت خوف کرو۔ اور نہ اندوہگین ہو۔ اور اس جنت پر خوش رہو جس کا تم کو وعدہ
دیا گیا تھا۔ دُنیا اور آخرت میں ہم تمہارے ساتھی ہیں۔ اور جب ملک اس شخص سے
دوستی کرتا ہے۔ تو یوں سمجھو کہ سب سے بڑا خیر خواہ اور نیکو کار اس کا ساتھی بنگیا
کیونکہ وہ اس کو ثابت قدم رکھتا اور قوی دل بنا دیتا ہے۔ اور ہر ایک امر میں نیکی کی امداد

واعانت کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ
اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس آیت سے صاف طور پر واضح ہوتا
ہے کہ ملائکہ اہل ایمان کو ہر ایک بُرے موقع سے بچاتے اور نیکی کے کاموں میں انکی
اعانت کرتے ہیں۔ اور موت کیوقت ملک اس شخص کو یوں کہتا ہے خوف مت کرو
اور نہ غمزدہ ہو۔ اور مسرّت موعودہ پر خوش ہو۔ اور ایسے نازک موقع پر جبکہ سُوءِ
خاتمہ کا خوف ہوتا ہے۔ اور نیز سوال و جواب قبر کے موقع پر اس کو قول ثابت یعنی
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ سو انسان کے لئے صحبت ملک سے
بڑھ کر زیادہ سودمند کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جو اس کو خواب۔ بیداری۔ زندگی۔ موت
الغرض تمام حالات میں حاصل رہتی ہے۔ اور وحشت اور تنہائی اور خلوت میں
موجب انس ہوتی ہے۔ اور ملک اس طرف سے اس کے دشمن کے ساتھ لڑتا ہے
اور مدافعت کرتا ہے۔ اور نیک کام میں اس کی اعانت کرتا ہے۔ اور حق کی تصدیق
پر اسے اُبھارتا ہے۔ چنانچہ ایک مرفوع اور موقوف حدیث میں یوں آیا ہے للملك
بقلب ابن ادم لمة وللشیطان لمة فلمة الملك ایعاد بالخیر و
تصدیق ما یوعد ولمة الشیطان ایعاد بالشر وتکذیب بالحق ۃ
یعنی انسان کے قلب پر ملک اور شیطان ہر دو علیحدہ علیحدہ اپنے اثر کا القاء
کرتے ہیں۔ سو ملک تو خیر کا وعدہ دلاتا ہے۔ اور اخروی وعدوں کی تصدیق
کا الہام کرتا ہے۔ اور شیطان شر۔ اور تکذیبِ حق کا القا کرتا ہے۔ اور جب ملک کا
قرب انسان سے زیادہ ہوجاتا ہے۔ تو اس کی زبان پر قول حق کو جاری کرتا ہے۔
اور جب شیطان کا قرب انسان سے زیادہ ہوجاتا ہے۔ تو جھوٹ اور فحش اس کی
زبان پر جاری کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے ان السکینة تنطق
علی لسان عمر اور بعض صالحین کا قاعدہ تھا۔ کہ جب کوئی کلمہ خیر کسی صالح

اس لئے ایسے بڑے شریف مہمان اور بزرگ ہمسایہ کی عزت و اکرام کہیں بڑھکر ضروری
ہے۔ اور جب آدمی اپنے ملک کو گناہ۔ فحش۔ ظلم وغیرہ سے اذیت پہنچاتا ہے
تو وہ اس کے حق میں دعائے بد کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ خدا تیرا بھلا نہ کرے
جیسا کہ بصورت طاعت و احسان کے وہ ملک اس کے حق میں دعا خیر کرتا ہے
بعض صحابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ تمہارے ساتھ
وہ لوگ ہیں۔ جو تم سے کبھی جدا نہیں ہوتے (ملائکہ) سو تمہیں چاہیئے۔ کہ تم ہمیشہ
ان سے شرم کرتے رہو۔ اور ان کی عزت کرتے رہو۔ اور فرمایا۔ اور رذیل
وہ شخص ہے۔ جو کرام عظیم قادر سے شرم نہ کرے۔ اور نہ اس کی توقیر بجا لائے
اور اس امر کی طرف قرآن شریف میں یوں اشارہ کیا گیا ہے وَإِنَّ عَلَيْكُمْ
لَحَافِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ بیشک تمہارے اوپر
ایسے ملائکہ کرام تمہارے ہر ایک امر کی نگہداشت کرنیوالے۔ اور تمہارے اعمال کو
لکھنے والے متعین ہیں۔ جو تمہارے ہر ایک فعل کا علم رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ
ہے۔ کہ تمہیں ان سے شرم کرنی چاہیئے۔ اور ان کی عزت بجا لانا چاہیئے۔ تاکہ وہ
تمہاری طرف سے کوئی ایسا نالائق فعل نہ دیکھیں جس کے لوگوں کے سامنے
کرنے سے تمہیں شرم آئے۔ کیونکہ ملائکہ اس امر سے اذیت پاتے ہیں۔ اور یہ مسلّم
ہے۔ کہ بنی آدم فاسق فاجر آدمی کے فعل سے اذیت پاتے ہیں۔ اگرچہ وہ خود بھی
ویسے ہی اعمال کرتے ہوں۔ سو ملائکہ کرام جو فسق و فجور سے بری اور پاک ہیں۔
بدرجہ اولیٰ اذیت پاتے ہوں گے۔ واللہ المستعان ٭

فصل

اور منجملہ عذاب گناہ کے ایک یہ ہے کہ گناہ دنیا اور آخرت میں انسان کی ہلاکت

بہ د بعد کر کا قر اور زبا علم

اور انہوں نے اس بارہ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا
ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے۔ اِنَّہٗ قال یارسولَ اللہ ای الذنب اعظم۔ قال ان تجعلَ لِلّٰہِ
نِدًّا وھو خلقکَ۔ قال قلتُ ثمَّ ای قال ان تقتل ولدک مخافۃ ان یطعمَ
معک۔ قالَ قلت ثم ایّ قال ان تزنی بحلیلۃ جارک فانزل تصدیقھا فی
کتابہ والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرّمَ
اللہُ الّا بالحق ولا یزنون یعنی وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے جناب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام
سے پوچھا۔ کہ یارسول اللہ سب سے بڑا کونسا گناہ ہے۔ تو آپنے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی
کو شریک ٹھیرانا۔ حالانکہ تجھے اس نے پیدا کیا ہے۔ میں نے ان سے سوال کیا۔ کہ اس
کے بعد۔ آپنے فرمایا۔ کہ تو اپنے فرزند کو اس خیال سے کہ تیرے ساتھ مل کر کھا جائیگا مار ڈالے[1] میں
نے دریافت کیا کہ اسکے بعد۔ تو آپنے فرمایا۔ کہ اپنے ہمسایہ کی عورت سے زنا کرنا چنانچہ
اس کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں یہ ارشاد فرمایا۔" کہ اللہ کے نیک
بندوں کی ایک نیک وصف یہ ہے۔ کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت
نہیں کرتے۔ اور نہ کسی نفس معصوم کو بجز شرعی حق کے قتل کرتے ہیں اور نہ وہ زنا کرتے ہیں"
اور جناب پیغمبر علیہ السلام نے ہر ایک نوع گناہ کا ترتیب وار ذکر کیا ہے۔ تاکہ جواب
سائل کے سوال کے مطابق دیا جائے۔ کیونکہ سائل نے سب سے بڑے گناہ کی بابت
سوال کیا تھا۔ تو آپنے سب سے بڑے گناہ کے جواب میں ذکر فرمایا۔ کیونکہ شرک کے اقسام
میں سب سے بڑا شرک یہ ہے۔ کہ بندہ کسی غیر اللہ کو اللہ جلشانہ کے ساتھ ہمسر قرار دے
اور قتل کے اقسام میں سب سے بڑا قتل یہ ہے۔ کہ اولاد کو مفلسی کے خوف سے مار ڈالے
اور زنا کے اقسام میں سب سے بڑا زنا یہ ہے۔ کہ کوئی شخص ہمسایہ کی عورت سے زنا
کرے۔ کیونکہ زنا کا فساد اسی قدر زیادہ ہو جاتا ہے۔ جس قدر اس کے کرنے سے کسی
حق واجب کی حرمت کو ضائع کرنا لازم آتا ہے۔ سو زنا ایسی عورت سے جس کا خاوند

[1] بعض عرب ایسا کرتے تھے جبکا اشارہ ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق یعنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے ہلاک مت کرو۔ مترجم

موجود ہو۔ بھاری گناہ ہے۔ بہ نسبت اس عورت کے جس کا خاوند نہیں کیونکہ اسمیں
زوج کی حق تلفی اور نسب کا بگاڑ دینا لازم آتا ہے۔ اسلئے وہ بلا زوج عورت کے زنا
سے زیادہ گناہ سمجھا جاتا ہے۔ اور جس صورت میں کہ وہ کسی ہمسایہ شخص کی عورت ہو
تو مذکورہ بالا قباحت کے علاوہ حق جوار کا ضائع کرنا بھی لازم آتا ہے۔ اس لئے اس
صورت میں بدرجہ غایت اذیت متصور ہوتی ہے۔ اور جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا
لَایدخل الجنۃ من لایامن جارُہٗ بوائقہ یعنی وہ شخص داخل جنت نہیں
ہوگا جس کی آذیتوں سے اس کا ہمسایہ بیفکر نہیں ہو سکتا۔ اور ہمسایہ کی عورت سے
زنا کرنا ایک بھاری اذیت ہے۔ کیونکہ سَو عورت بلا زوج سے زنا کرنا اللہ تبارک و
تعالیٰ کے نزدیک ہمسایہ کی عورت کے ساتھ زنا کرنے سے خفیف سمجھا گیا ہے۔ اور اگر
ہمسایہ اس شخص کا بھائی یا رشتہ دار ہے۔ تو مذکورہ بالا قباحتوں کے ساتھ صلہ رحمی
کا حق تلف ہو کر گناہ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اور اگر ہمسایہ حج یا جہاد یا طلب علم کے
لئے سفر میں گیا ہوا ہے۔ تو گناہ کی حیثیت اور بھی بڑھ جاتی ہے حتیٰ کہ کسی غازی
مرد کی عورت سے زنا کرنیوالا شخص قیامت کے دن بحضور رب العالمین کھڑا کیا جائیگا
اور غازی کو اختیار دیا جائیگا۔ کہ زانی کے حسنات سے جس قدر تم لینا چاہو لے لو۔ جناب
پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ کیا تم گمان رکھتے ہو۔ کہ وہ اس شخص کی نیکیوں
میں سے کچھ چھوڑ دیگا۔ کیونکہ میدان قیامت ایک ایسا خوفناک مقام ہے۔ کہ جہاں
ہر ایک شخص کو اپنی نجات کیلئے ایک ایک نیکی کی سخت ضرورت ہوگی۔ اور باپ
اپنے بیٹے سے اور دوست اپنے دوست سے اپنا حق واجب نہیں چھوڑیں گے۔ اور
اگر وہ عورت شخص زانی کے اُولُوا الارحام میں ہو۔ تو اس کے ساتھ قطع رحمی کا ایک علیحدہ
گناہ ثابت ہوگا۔ اور اگر زانی محصن شخص ہو تو گناہ اور بھی بڑا ہوگا۔ اور اگر بوڑھا ہوگا۔
تو اور بھی زیادہ ہو۔ اور ایسا بوڑھا منجملہ ان تین اشخاص کے ہوگا۔ جن کے ساتھ قیامت

کے دن اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کلام نہیں کریگا۔ اور انہیں پاک نہیں کریگا۔ اور انہیں عذاب الیم میں مبتلا کریگا۔ اور اگر اس قسم کا زنا کسی ماہ حرام یا مکہ معظمہ میں یا اوقات نماز اور اوقات اجابت دُعا میں واقع ہو تو مذکورہ بالا قباحتوں کے علاوہ گناہ کی حیثیت کئی گنا بڑھ جائیگی۔ علیٰ ہذا القیاس گناہ کے مفاسد اور عذاب کے مدارج مختلف حالات کے رو سے کم و بیش ہو سکتے ہیں۔ واللہ المستعان ؛۔

فصل

اور اللہ تعالیٰ نے اموال کے ضایع کرنے پر حد قطع مقرر کی ہے۔ کیونکہ سارق سے بچنا ناممکن ہے۔ اسلئے قطع ید بھی لابُد ہے۔ کیونکہ جو شخص پوشیدہ طور پر لوگوں کا مال لے لیتا ہے۔ اور نقب لگاتا ہے۔ اور دیوار سے پھاند کر مکان میں گھس آتا ہے اس کی مثال بلی یا سانپ کی سی ہے۔ جو بلا اطلاع اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ سو اسکے سرقہ کا فساد نہ تو قتل سے دور کرنے کے قابل ہے۔ اور نہ ضرب تازیانہ سے۔ بلکہ بہترین صورت اس کے لئے اس عضو کا ضائع کر دینا ہے جس سے اس نے اس جرم کا ارتکاب کیا۔ اور تہمت زنا سے کسی کی عزت بگاڑ نے پر ضرب تازیانہ کی سزا مقرر کی۔ سو عقوبات شرعیہ کی تین قسمیں مقرر کیں۔ جیسا کہ کفارہ کی تین قسمیں عتق اطعام۔ صیام۔ پھر اللہ تعالیٰ نے گناہ کی تین قسمیں بتائیں۔ اول جس میں حد مقرر کی ہے اور اس میں کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ دوم جس میں حد مقرر نہیں کی۔ اور اس میں کفارہ بتایا ہے جیسے ماہ رمضان میں دن کو یا احرام کی حالت میں وطی کرنا۔ اور ظہار اور قتل خطا۔ اور قسم کا توڑ دینا وغیرہ۔ سوم جس میں نہ تو حد مقرر کی ہے۔ اور نہ کفارہ۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول جسکے لئے کوئی طبعی مانع موجود ہو۔ مثلاً نجاست یا بول یا خون وغیرہ کا کھانا (کیونکہ ان اشیاء کے کھانے سے طبیعت مانع ہے) دوم یہ کہ اس کا فساد بہ نسبت اس گناہ

بعض کے نزدیک کفارہ ہی کافی ہے جس سے کہ جبر نقصان ہوجاتا ہے ؛

عقوبت فطریہ کی دو صورتیں ہیں۔ اول وہ جو قلوب اور نفوس پر عائد ہوتی ہیں دوم وہ جو ابدان امور اموال پر وارد ہوتی ہیں پہلی صورت کی پھر دو صورتیں ہیں۔ اول آلامِ وجودیہ جو قلب کے ساتھ لازم ہوتے ہیں۔ دوم حیاتِ قلب اور اس کی اصلاح کے مواد کا منقطع ہوجانا جس سے کہ قلب کی موت اور فساد اسکے لئے لازم ہوجاتے ہیں۔ اور عقوبتِ قلب سب عقوبتوں سے زیادہ سخت ہے۔ اور یہی عقوبت عقوبتِ بدن کیلئے بمنزلہ اصل کے سمجھی گئی ہے۔ کیونکہ بتدریج بڑھتے بڑھتے اس کا اثر بدن پر بھی ظاہر ہونے لگتا ہے جیسے کہ عقوبتِ بدن کا اثر قلب تک سرایت کرتا ہے۔ اور جب روح بدن سے علیحدہ ہوجاتی ہے۔ تو وہ اثر بدستور روح کے ساتھ لازم رہتا ہے۔ اور تب اس کا ظہور کامل طور پر ہوتا ہے۔ اور اسی کا نام عذاب قبر رکھا گیا ہے جسکی یہ کیفیت عالم برزخ میں بعینہٖ ایسی ہی ہوتی ہے جیسے اس عالمِ جسمانی میں عذاب بدنی کی ؛

عقوبات بدنیہ کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اول وہ جو اسی دنیا میں متحقق ہوتی ہے۔ اور دوسری جو عالم آخرت سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کی شدت اور دوام اسی گناہ کے مطابق ہوگا۔ کہ جسپر وہ عاید ہوتی ہے۔ سو یہ بات یقینی ہے۔ کہ دنیا اور آخرت میں بجز گناہ اور عقوبت گناہ کے کوئی چیز فی حد ذاتہٖ شر نہیں ہوسکتی۔ اس لئے شر فقط انہی اشیا کا نام ہے۔ اور اس کا منبع شر نفس اور اعمال بد ہیں۔ اور یہی دو چیزیں ہر ایک شر کے لئے بمنزلہ اصل کے ہوتے ہیں۔ اور انہی سے جناب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بوقت خطبہ بالفاظ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا استعاذہ فرمایا کرتے تھے۔ اور سیّئات اعمال منجملہ شرور نفس کے ہیں۔ اسلئے ہر ایک قسم کی شر کا منبع شر نفس ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ سیّئات الاعمال منجملہ اس کے نتائج کے ہیں لفظ سیّئاتِ اعمالنا کی تعبیر میں اختلاف کیا گیا ہے بعض نے اسکو از قبیل اضافت النوع

الی الجنس قرار دیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سیئاتِ اعمال سے مراد عقوبات اعمال
مراد ہیں۔ جو موجب رنج و الم ہوتے ہیں۔ اور اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ چونکہ شر
نفس کو اعمال سیئہ لازم ہوتے ہیں۔ اور اعمال سیئہ کیلئے عقوبات ضروری ہیں اس
لئے شر نفس سے اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ کہ صرف شر نفس ہی اعمال سیئہ کے
مقتضی ہے۔ یا یہ کہ شر نفس بمنزلہ اصل کے قرار دیکر سیئات اعمال کو بطور غایت شر
کے ذکر فرمایا۔ سو اس استعاذہ میں اصل شر اور اسکے فروع اور اسکی غایت اور اسکے
مقتضا کو ضمناً بیان کیا گیا ہے۔ دیکھو کہ ملائکہ اصل ایمان کے لئے بدین الفاظ دعا کرتے
ہیں۔ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ ان الفاظ
سے صاف طور پر عیاں ہے۔ کہ اہل ایمان کو سیئات اعمال اور ان کے عقوبات ہر دو
سے محفوظ رہنے کی استدعا کی گئی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اعمال سیئہ سے انہیں
محفوظ رکھیگا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ اعمال سیئہ کی جزا سے بھی محفوظ رکھے
گئے ہیں۔ اگرچہ الفاظ مَن تَقِ السَّيِّئَات سے معلومات ہوتا ہے۔ کہ سیئات سے
عقوبات اعمال مراد ہیں۔ اور اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ملائکہ نے اصل ایمان کیلئے
دوزخ سے محفوظ رہنے کا سوال کیا ہے۔ اور عقوبات سیئات سے محفوظ رہنے کے
بھی یہی معنیٰ ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ سیئہ سے انہیں اعمال سیئہ سے بچانا مراد ہے
اور اس کی نظیر بعینہٖ وہی جناب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ ہونگے۔ اور اس
تقریر کے برخلاف یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ لفظ يَوْمَئِذٍ اس تقریر کا مانع ہے۔ کیونکہ شرور
سیئات اعمال سے بچانا صرف اس مخصوص دن کے ساتھ متعلق ہے۔ جو فی نفسہٖ
سیئات ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ سیئات سے بچانیکی دو صورتیں ہیں
اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق دی جائے جس سے کہ وہ اس فعل کا ارتکاب
کرنے سے باز رہے۔ دوسری صورت یہ ہے۔ کہ جزاء سیئہ سے بذریعہ مغفرت کے

سبب ہے۔ کیونکہ یہ بھی محض اس کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ کہ اس نے انہیں اعمال صالحہ
کی توفیق دی۔ اور ملائکہ کو ان کے لئے دخول جنّت کی دعا کے واسطے معین فرمایا پھر
اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی طرف سے یہ خبر دی ہے۔ کہ وہ اہل ایمان کے حق میں دعا کے
خاتمہ پر یوں کہتے ہیں۔ کہ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ
خداوند کریم کا نزول رحمت اس کے کمال قدرت اور کمال علم کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ
عزت کمال قدرت کا نام ہے۔ اور حکمت کمال علم کا نام ہے۔ اور انہی وصفوں
کے رو سے اللہ تبارک و تعالیٰ امر و نہی ثواب و عقاب اور ہر ایک امر جسکو وہ چاہتا
ہے۔ کرتا ہے۔ اسلئے یہ دو صفتیں خلق اور امر کیلئے منبع ہیں۔ الغرض کہ گناہ کی عقوبتیں
مختلف قسم کی ہوتی ہیں۔ یعنی بعض تو شرعی بعض فطری کہلاتی ہیں۔ اور نیز یہ عقوبتیں
یا تو قلب سے مخصوص ہوتی ہیں۔ یا بدن سے یا ان ہر دو سے۔ اور بعض عقوبتیں موت
کے بعد عالم برزخ میں پیش آتی ہیں۔ اور بعض قیامت کے دن پیش آئینگی۔ سو گناہ
کیلئے بہرحال عقوبت کا ہونا لازم ہے۔ مگر انسان بوجہ جہالت کے گناہ کی عقوبت
سے بیخبر رہتا ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کی مثال کسی بدمست یا از خود رفتہ یا سوئے ہوئے
شخص کی سمجھنی چاہیئے۔ جس سے الم کا احساس نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب وہ بیدار ہوتا ہے
یا ہوش میں آتا ہے۔ تو اسے موجب الم کا احساس ہوتا ہے۔ اس لئے گناہوں پر
عقوبتوں کا مترتب ہونا بعینہٖ ایسا ہے۔ جیسے آگ پر احراق اور کسر پر انکسار اور زہر
کے پینے پر فساد بدن اور اسباب امراض کے پیدا ہونے پر حدوث امراض کا مترتب
لازم ہے۔ ہاں یہ بات ضروری ہے۔ کہ کبھی عقوبت یا مضرت گناہ کے ساتھ متصل ہی
نمودار ہوتی ہے۔ اور کبھی کچھ مدت کیلئے متاخر ہو جایا کرتی ہے۔ اور یہیں سے اکثر
لوگ غلطی کھا جایا کرتے ہیں۔ اور وہ گناہ پر اس کا فوری اثر جب نہیں دیکھتے۔ تو انہیں
ایسا خیال ہوتا ہے۔ کہ گناہ کا کچھ اثر نہیں۔ مگر وہ یہ نہیں جانتے۔ کہ زہر اور دیگر اشیاء مضر کی

طرح اس کا اثر بتدریج نمودار ہوگا۔ سو اگر اس نے مناسب تدابیر سے اس کا تدارک کر لیا۔
تو بہت بہتر۔ ورنہ وہ ہلاک ہو جائیگا۔ یہ صرف اس صورت میں ہے۔ جبکہ کسی خاص
ایک گناہ کا ارتکاب کرکے اس کا تدارک نکرے مگر جب گناہ پر گناہ کرتا چلا جائے تو پھر اسکا ٹھکانا ہے؟
نہیں چاہیئے کہ ان عقوبات کا خیال رکھو جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مختلف گناہوں
پر مترتب فرمایا ہے اور تم پر عاید ہونیکی خبر دی ہے اور اس خیال کو ترک گناہ کا موجب
سمجھو۔ اور ہم اس موقع پر مختصراً چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔ امید ہے کہ عقلمند کیلئے اسی
میں کفایت ہوگی۔ مثلاً ختم علی القلب والسماع یعنی دل اور کان پر مہر کا لگ جانا الغشاوۃ
علی الابصار الاکنۃ علی القلوب یعنی دل پر غلاف آجانا والطبع علی القلوب
یعنی قلب کا زنگ آلود ہو جانا والتقلیب الافئدۃ والابصار یعنی دل اور آنکھوں
کا حق کی طرف سے پلٹ جانا الحیلولۃ والاغفال یعنی قلب کا ذکر الٰہی سے غافل
ہونا انساء النفس یعنی انسان کا اپنے تئیں بھلا دینا ضیق الصدر یعنی سینہ کا
تنگ ہونا صرف القلوب عن الحق یعنی دلوں کا قبول حق سے پھر جانا زیادۃ
مرض علی مرض چنانچہ امام احمدؒ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے
ہیں۔ کہ قلب کے چار اقسام ہیں قلب اجرد جسمیں ایمان کا چراغ روشن ہوتا ہے
یہ مومن کا قلب ہے۔ قلب اغلف۔ یہ کافر کا قلب ہے۔ قلب منکوس یہ منافق
کا قلب ہے۔ قلب ذوالمادتین جس میں ایمان اور نفاق دونوں پائے جاتے ہیں؂

فصل

اور منجملہ عقوبات گناہ کے یہ ہے۔ کہ انسان اطاعت الٰہی سے دور جا پڑتا ہے۔ اور
قلب حق کے سننے سے بہرہ اور اس کی زبان حق کے بولنے سے گونگی۔ اور اس کی آنکھ
حق کے دیکھنے سے اندھی ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بہرہ پن اور گونگا پن

چنانچہ جسکی نظیر یہ آیت بھی ہے۔ وَلِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِی هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ
وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ اور نیز آیت ذیل وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ
ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْهِ یُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَیُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ
ان آیات کا حاصل یہ ہے۔ کہ متقی محسن لوگ دنیا اور آخرت کی نعمتوں کے مالک ہوجاتے
ہیں۔ اور ہردو عالم میں انہیں پاک زندگی ملتی ہے۔ کیونکہ طیبِ نفس اور سرورِ قلب
اور اطمینان اور حقیقی لذت اور انشراح اور نور اور عافیت، وغیرہ ایسی گرانبہا نعمتیں
ہیں جو صرف محرمات اور مشتبہات کے چھوڑنے سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ اور ان کے
مقابلہ میں دوسری نعمتیں بالکل ہیچ ہیں۔ چنانچہ بعض بزرگان کے اقوال میں یوں وارد
ہوا ہے "کہ اگر دنیا کے بادشاہ اور شہزادے اس لذت اور سرور کا علم رکھتے جو ہمیں
حاصل ہے تو کچھ شک نہیں کہ اس کی بابت ہم سے تلواروں کے ساتھ لڑائی کرتے" اور ایک
دوسرے بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ ہمارے قلب پر ایسے اوقات بھی گذرتے ہیں جن میں میں
یہ کہتا ہوں۔ کہ اہل جنت ایسی ہی پاک زندگی میں ہوں گے۔ اور ایک دوسرے بزرگ
فرماتے ہیں۔ کہ عالمِ دنیا میں ایک جنت ہے۔ اور وہ اس دنیا میں ویسی سمجھی گئی ہے
جیسے عالمِ آخرت کی جنت، جو شخص دنیا کی جنت میں داخل نہیں ہوا۔ وہ آخرت کی جنت
میں بھی داخل نہیں ہوگا۔ اِس امر کی نسبت حدیث شریف میں یوں بھی اشارہ کیا گیا ہے
اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا مَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حِلَقُ الذِّكْرِ۔
یعنی جب تم ریاضِ جنت پر گذرو۔ تو ان میں چرا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ کہ ریاضِ جنت
سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا مجلسِ ذکر۔ اور پھر دوسری جگہ فرمایا مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ
رَوْضَةٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّةِ یعنی میرے حجرے اور منبر کے درمیان ریاضِ جنت میں
سے ایک روضہ ہے۔ شاید اسی موقعہ پر کسی کو یہ خیال پیدا ہو۔ کہ آیت شریف اِنَّ
الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ یعنی بہشت نیکوکاروں کیلئے ہے۔ اور بدکا

اتباع اس کی طرف سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور کبھی نہیں۔ اور جس با اخلاص عمل کو کمال
متابعت سے کیا بھی تو کبھی اس پر ثابت قدم رہتا ہے۔ اور کبھی نہیں۔ اور یہ سب
حالات خیالی اور فرضی ہی نہیں۔ بلکہ واقع ہو رہے ہیں بعض مستقل اور ثابت قدم
رہتے ہیں۔ اور بعض افراط و تفریط کر بیٹھتے ہیں۔ یہ دو قسم کے لوگ موجود ہیں۔ یہ سب
خصائل و خصائص انسان کو فطرتی طور پر بلا کسب و ضبط حاصل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ
انسان کو اگر اسکی اصلی طبیعت اور حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ تو دنائت رذیلہ کی
کی طرف مائل ہوتا ہے جسکی وجہ سے وہ عذاب الٰہی کا مستحق ہو جاتا ہے منافقین
کیلئے عذاب کا زیادہ ہونا اسی لئے تو ہے کہ انکو انکے گناہوں نے قعرِ مذلت میں
ڈالا۔ اور انکی اصلیت طبیعت جو جہالت اور ظلم پر مشتمل تھی۔ بصورت عذاب عود
کر آتی ہے۔ باری تعالیٰ کے اوامر و نواہی اور قضا و قدر کے تمام معاملات صراطِ مستقیم
پر ہی مبنی ہیں۔ اپنے فضل و رحمت سے جسکو چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت کرے۔ اور
یہ ظاہر ہے کہ وہ اپنی نیک ہدایت اسی شخص کو عنایت فرماتا ہے۔ جو اس ہدایت
کے لایق بھی ہو۔ اور ہر طرح اس کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور جسکو چاہے اپنے عدل
و حکمت کی وجہ سے صراطِ مستقیم کی ہدایت نفرماوے۔ کیونکہ وہ ہدایت کی قابلیت
نہیں رکھتا۔ ایسے شخص کو ہدایت فرمانا وہ عدل و حکمت کے خلاف سمجھتا ہے۔ پس باریتعالیٰ
خود بھی صراطِ مستقیم پر ہے۔ اور اپنے بندوں کو بھی صراطِ مستقیم کیطرف بلاتا ہے۔ تاکہ
اس کا انصاف پورا رہے۔ اور ہر طرح سے اتمام حجت بھی ہو جائے۔ اور اسی راستہ
کی طرف بعض کو ہدایت فرمانا محض تفضل اور احسان پر مشتمل ہے۔ یہی صراطِ مستقیم تو
ہے۔ جو جنت میں پہنچائیگا۔ یہی صراطِ مستقیم ہے جو میدان حشر میں وحشتناک
تاریکی کے وقت نور اور روشنی بنکر ایمانداروں کو ایسے ہی قعرِ مذلت سے بچائیگا جیسے
رذائل سے دنیا میں بچایا کرتا تھا۔ جس طرح ایمانداروں نے مرتے دم تک اپنے ایمان کو

فرمایا اپنے ہمسایہ کی بیوی سے بدفعلی کرنا - اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی
وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ
یعنی جو لوگ خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتے - اور کسی آدمی کو ناحق
قتل نہیں کرتے - اور نہ ہی زنا کرتے ہیں ؛

علما کا اس میں اختلاف ہے کہ کبائر کا شمار ہے یا نہیں ؟ جو شمار کے قائل ہیں
وہ تعداد میں اختلاف کرتے ہیں - حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں - چار
ہیں - حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں - سات ہیں - عبداللہ ابن عمرو بن عاص
نو کہتے ہیں - بعض گیارہ بعض ستر کہتے ہیں ؛

ابو طالب مکی رح فرماتے ہیں - کہ میں نے اسبارہ میں اقوال صحابہ تلاش کرکے اس طرح انکی
تعداد کو جمع کیا ہے - چار دل میں - شرک - گناہ پر اصرار کرنا - رحمت الٰہی سے ناامید ہو جانا - عذاب
الٰہی سے بےخوف ہو جانا - چار زبان کے متعلق - جھوٹی گواہی دینا - ایماندار پاکدامن عورت
کو تہمت لگانا - جادو - جھوٹی قسم عمداً کھانا - تین شکم کے متعلق ہیں - شراب نوشی - یتیم کا مال
ہضم کر جانا - سود کا کھانا - دو شرمگاہ سے تعلق رکھتے ہیں - زنا - لواطت - دو کا تعلق ہاتھوں
سے ہے - قتل - چوری - ایک پاؤں کے متعلق ہے - جہاد سے بھاگنا - اور ایک تمام بدن سے علاقہ
رکھتا ہے - والدین کی نافرمانی ؛

(یہ پاکیزہ تقسیم ہے - جو اکثر صورتوں پر حاوی ہے) اور جو لوگ حصر کے قائل نہیں - ان
میں سے بعض کہتے ہیں - کہ جن کی ممانعت قرآن میں وارد ہے - وہ کبائر ہیں - اور جن کی
احادیث میں وہ صغائر ہیں - ایک گروہ کا خیال ہے - کہ جس نہی کے ساتھ کسی قسم کی وعید
آئی ہو - جیسے لعنت یا غضب یا عذاب تو وہ کبیرہ ہیں - اور جس کے ساتھ نہیں وہ صغیرہ
بعض کا خیال ہے - کہ جس کے کرنے پر دنیا میں حد شرعی اور آخرت میں وعید مترتب
ہوتی ہو - وہ کبیرہ ہے - اور جس پر نہیں وہ صغیرہ ہے - بعض کہتے ہیں - جو تمام شرائع میں

حرام ہو۔ وہ کبیرہ ہے۔ اور جو ایسا نہ ہو۔ وہ صغیرہ ہے۔ بعض نے کہا ہے۔ کہ جس گناہ پر اللہ یا رسول نے ممانعت کی ہو۔ وہ کبیرہ ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے۔ کہ شروع سورہ نسا سے آیۂ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ تک جو بیان گناہ کے کئے گئے ہیں۔ کبیرہ ہیں۔ بعض حضرات گناہ کی دو قسمیں صغیرہ و کبیرہ نہیں کہتے۔ بلکہ وہ تمام گناہوں کو جن میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے حکم کی مخالفت لازم آتی ہے۔ کبائر کہتے ہیں پس جو گنہگار محارم کی پروا نہ کرتا ہو۔ اس کے تمام گناہ کبائر ہوں گے۔ کیونکہ گنہگاروں کے گناہ خدا تعالیٰ پر کوئی خلاف شانِ اقدس اثر نہیں ڈال سکتے۔ اور نہ ہی وہ ان سے متاثر ہو سکتا ہے تو کیسے ایک گناہ کو دوسرے سے بڑا کہا جاتا ہے۔ گناہ کی بِنا مخالفتِ امرِ الٰہی پر ہوتی ہے۔ جو سب کے اندر یکساں ہے ؀

فصل

یہ تو مسلّم ہے۔ کہ گناہ کا وبال اور عذاب بلحاظ جرأت کے ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وبال ہر کبیرہ اور صغیرہ ہر نیکو دخل نہیں۔ اس لئے اگر کوئی شخص شراب نوشی میں گرفتار ہو۔ اور اس کی حرمت کا بھی قائل نہ ہو تو اس کے اوپر دو وبال ہیں۔ ایک جہالت اور دوسرا ارتکاب فعل حرام۔ اور اگر حرمت کا قائل ہو۔ تو پھر اس پر صرف ایک ہی ارتکاب فعل حرام کا وبال ہوگا۔ اس کو پہلے کی نسبت عذاب کم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وبال معصیت صرف جرأت اور انتہاک حرمت پر منحصر ہے۔ چونکہ گناہ سے امرِ الٰہی کی اہانت اور نہی کی ہتک پیدا ہو جاتی ہے۔ جو ہر گناہ میں برابر ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان معصیت کی چھوٹائی بڑائی پر خیال نہ کرے۔ بلکہ یہ خیال کرے کہ کسی زبردست لازوال طاقت اور خالق موجودات کی نافرمانی کر رہا ہوں۔ اگر یہ خیال قلب میں راسخ ہو جائے۔ تو کوئی گناہ کبھی چھوٹا معلوم نہ ہوگا۔ بلکہ کسی گناہ پر جرأت نہ ہو سکیگی

کسی قسم کی دُعا اور آرزو پوری نہ ہوگی- کیونکہ یہ سب سے بڑھکر جاہل اور ظالم ہے درحقیقت
مشرک خداتعالیٰ پر ظلم نہیں کرتا- بلکہ اپنے نفس پر ہی ظلم کرتا ہے جسکا وبال آخرت میں معلوم کریگا

فصل

اس مقام پر ایک خدشہ پیدا ہوتا ہے- کہ مشرک کا مقصود اشراک غیر سے یا تو تعظیم
جناب باری عز اسمہٗ ہے- کیونکہ وہ غیر کو اس لئے شریک نہیں کرتا- کہ جناب باری کیطرف
سے اس کے دل میں سوء ظنی ہے- یا اس کو حقیر سمجھتا ہے- اور یا بوجہ عظمت جناب الٰہی
اپنے آپکو اس کی اعلیٰ بارگاہ میں قابل حضور نہیں سمجھتا- اس لئے وہ اپنے وسائل و
وسائط کی طرف مجبوراً اپنے آپکو محتاج خیال کرتا ہے جو اس کو جناب احدیت تک پہنچنے
میں کافی امداد دیں- مقصود وہی واحد بے نیاز ہے- یہ صرف وسائل و ذرایع ہیں- پھر مشرک
کیوں غیر معمولی عقاب کا مستحق ہے- اور نیز کیا تقرب الی اللہ کے لئے توسل بالوسائط
والوسائل مشروع نہیں- اس کی نامشروعیت شرعاً ہے یا عقل ہی اس کو ناجائز بتلاتی
ہے- اور کیا وجہ ہے کہ تمام گناہ بخشے جاسکتے ہیں- اور شرک نہیں بخشا جائیگا جیسے کہ وارد ہے
إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ؕ
یعنی اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا- اور شرک کے سوا باقی گناہ جسکے چاہے بخشدے گا

اس خدشہ کا دفعیہ اس طرح پر ہو سکتا ہے- کہ شرک کی دو صورتیں ہیں-

۱) ذات معبود اور اس کے اسماء و صفات کے متعلق ہو-

۲) خداتعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرتا ہو- بلکہ عبادات اور معاملات میں دوسرے
کو شریک کرے- اول الذکر شرک کی دو قسمیں ہیں-

۱) شرک التعطیل یعنی خداتعالیٰ کے اسماء و صفات کو جیساکہ وہ انکا مستحق ہے- قایم نہ رکھے-
بلکہ اپنے آپکو ان کے ساتھ موصوف کرے- جیسے کہ فرعون کی حالت تھی- جب حضرت موسیٰ ع

تبلیغ دعوت کیلئے فرعون کے پاس تشریف لائے۔ اور اسے کہا گیا کہ پروردگار عالم پر
ایمان لا۔ اس نے جواب میں حقارت کے طور پر کہا وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ یعنی پروردگار
عالم کس چیز کا نام ہے۔ دوسری جگہ وارد ہے وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا
لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۔ یعنی فرعون نے اپنے وزیر
ہامان سے کہا۔ اے ہامان تو ایک بلند محل تیار کر تا کہ میں ذرا جھانک کر موسیٰ کے خدا کو
تو دیکھ لوں۔ اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھ رہا ہوں درصل شرک اور تعطیل باہم لازم ملزوم ہیں۔
پھر اس تعطیل کی تین قسمیں ہیں (۱) تعطیل المصنوع عن صانعہ یعنی سلسلہ مصنوعات
کے لئے ہستی صانع کا قائل نہ ہونا جیسے دہریوں کا خیال ہے۔ (۲) تعطیل الصانع
عن کمالہ المقدس یعنی صانع عالم کی اعلیٰ اور کمالیہ صفات کا پاس نہ کرنا۔ جیسے بعض قائلین
وحدۃ الوجود کا خیال ہے کہ نہ کوئی خالق ہے اور نہ مخلوق۔ خالق عین مخلوق ہے۔ جہمیہ
اور قرامطہ کہتے ہیں۔ کہ اسما و صفات کے لحاظ سے مخلوقات خالق سے بڑھ کر ہے۔
نعوذ باللہ من ہذا الہذیان ؁
(۳) تعطیل معاملۃ الصانع عما یجب علی العبد۔ یعنی صانع عالم کے معاملات از امر و نہی
سے جو مخلوق پر ضروریات سے ہیں۔ مکلف کو برطرف سمجھنا۔ جیسے بعض ملاحدہ کا خیال
ہے۔ کہ عالم قدیم اور ابدی ہے۔ یہ کبھی معدوم نہ تھا۔ ہمیشہ سے ہے۔ اور ہمیشہ تک
رہیگا۔ کسی امر و نہی کا مکلف نہیں ؁
(۲) اسما و صفات میں تو تعطیل نہ ہو لیکن اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔ جیسے
نصاریٰ خدا تعالیٰ کے ساتھ مسیح اور مریم کو شریک کر کے تثلیث کے قائل ہیں اور الوہیت
میں حضرت مسیح اور انکی والدہ مریم کو شریک و سہیم بناتے ہیں۔ اور بعض مجوس کا اعتقاد
ہے۔ کہ خالق خیر نور ہے۔ اور خالق شر ظلمت ہے۔ قدریہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے [illegible]
خود ہی خالق ہے۔ افعال کے صادر اور حادث ہونے میں مشیت الٰہی بالکل دخل نہیں

اسی لئے ان کو بھی مجوس ہی سمجھو۔ اسی قسم سے نمرود کا شرک تھا۔ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ یعنی جب ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے اپنے پروردگار کے صفات بیان کرتے ہوئے کہا۔ کہ میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اسپر نمرود نے کہا کہ (انعام و اذلال کی وجہ سے) میں بھی مارتا اور زندہ کرتا ہوں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ ہمارا خدا تو حسب معمول آفتاب کو شرق سے نکالتا ہے۔ تو اس کو مغرب سے نکالکر دکھا۔ یہ سنکر نمرود کا فر حیران گیا اور لگا ادہر ادہر جھانکنے دیکھو نمرود نے اپنے آپکو احیا و اماتت میں خدا تعالیٰ کا ہم پلہ اور شریک بنانا چاہا اس لئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسکی سفاہت اور جہالت کو ثابت کر دیا۔ تو اس طور پر الزام دیکر لاجواب اور ساکت محض کر دیا۔ اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلی دلیل کو چھوڑ کر دوسری کی طرف مائل ہونا۔ وہ انتقال نہیں ہے جو فن مناظرہ میں مذموم ہے۔ بلکہ یہ اس کی شرح دلیل پر نہایت ہی قوی الزام ہے۔ اگر تیری دلیل صحیح اور حق ہے۔ تو آفتاب کو مغرب سے خلاف معمول کیوں نہیں نکال سکتا۔ فرقہ صابئیہ کواکب و دیات کو ارباب قرار دیتے ہیں اور انکو مدبر عالم کہتے ہیں۔ بعض آفتاب اور آتش پرست ہیں بعضوں کا خیال ہے۔ کہ حقیقی معبود تو وہی ایک خدا ہے باقی دوسرے وسائل ہیں بعض خیال کرتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ بڑا معبود ہے۔ اور باقی چھوٹے بعض کہتے ہیں۔ معبود کثیر التعداد ہیں۔ ان میں سے ایک خدا تعالیٰ ہی ہے بعض قائل ہیں معبود بہت سے ہیں۔ تحتانی معبود فوقانی معبود کے تقرب کا ذریعہ بنتا ہے پھر وہ اپنے سے فوقانی کے نزدیک پہنچا دیتا ہے آخر کار پہنچتے پہنچتے خدا تعالیٰ تک اس سلسلے کے مطابق رسائی ہو جاتی ہے کبھی تو وسائل زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی کم باقی رہا شرک فی العبادت سو یہ اس شرک کی نسبت خفیف ہے۔ کیونکہ شرک فی الصفات

قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِھِمْ مَسَاجِدَ یعنی سب سے بدبخت وہ لوگ ہوں گے جن کے زندہ ہوتے ہوئے قیامت برپا ہوجائیگی۔ اور جو لوگ اپنے انبیا کی قبروں کو مسجدیں بنالیں صحیح حدیث میں ہے۔ اِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَاِنِّیْ اَنْہَاکُمْ عَنْ ذَالِکَ یعنی تم سے پہلے لوگ قبروں کو عبادت گاہ بنالیتے تھے۔ سنو! تم قبروں کو عبادتگاہ نہ بنانا۔ میں تمکو اس فعل سے بالکل منع کرتا ہوں مسند امام احمد اور صحیح ابن حبان میں ہے۔ لَعَنَ اللّٰہُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ یعنی اللہ تعالیٰ اُن عورتوں پر لعنت کرتا ہے۔ جو قبور کی زیارت کریں۔ اور انکو عبادتگاہ سمجھکر اُن پر روشنی کے لئے چراغ جلائے جائیں۔ پھر حضور سرور عالمؐ فرماتے ہیں۔ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِھِمْ مَسَاجِدَ یعنی اس قوم پر غضب الٰہی بشدت ہوگا۔ جو انبیا کی قبروں کو عبادتگاہ بنالیں۔ پھر فرمایا اِن من کان قبلکم۔ اذا مات فیھم الرجل الصالح بنوا علٰی قَبْرِہٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فیہ تلک الصورۃ اولئک شرار الخلق عند اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یعنی تم میں سے پہلے لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا تھا۔ تو اس کی قبر پر ایک مسجد بناتے۔ اور اس میں تصویریں نقش کرتے تھے۔ اس قسم کے لوگ قیامت میں خدا کے نزدیک سب مخلوق سے بدبخت اور شریر ہونگے۔ یہ لعنت اور وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو قبروں پر مسجدیں بناکر اس میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ ہی کو سجدہ کریں قبروں کو۔ پھر جو لوگ قبور کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان کا حال ان سے قیاس کرسکتے ہو۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ یعنی اے اللہ میری قبر کو بُت نہ کیجو۔ جس کی میرے بعد عبادت کی جائے۔

ناظرین! یہاں سے اسلامی توحید کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توحید کے کس قدر حامی اور دلدادہ تھے۔ ذرا سا شبہ بھی توحید میں پہاڑ سے زیادہ

لحاظ سے من کل الوجوہ تشبیہ دینا شرک ہے۔کسی غیر میں ان صفات کمالیہ کا ثابت کرنا
جو مختص بجناب باری ہیں شرک نہیں۔ بلکہ اصل شرک ہے۔ اسی التباس سے بہت
سے لوگ دھوکا کھا بیٹھے ہیں۔ کہ انہوں نے توحید کو تشبیہ اور تشبیہ کو اطاعت سمجھ رکھا
ہے۔ پس مشرک درحقیقت مخلوق کو خالق کی ان صفات کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے جو کسی
دوسرے کو شایاں نہیں۔ ضرر۔ نفع اور منع و عطا ایسے افعال ہیں جو صرف خدائے وحدہٗ
لاشریک کی صفت ہیں۔ اسی بنا پر اس سے دعا کی جا سکتی ہے۔ اس سے خوف کرنا
لازم ہے۔ اس سے امیدوار رہنا چاہیئے۔ اسی پر توکل ہونا ضروری ہے۔ جس نے ان
افعال کا تعلق غیر کے ساتھ سمجھا۔ اس نے مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دیکر شرک کیا ہے
اس نے ایسی چیز کو جو اپنے ہی ذاتی فوائد و نقصان اور موت و حیات پر کچھ اختیار نہیں
رکھتا۔ ایسی ذات واجب الوجود کے مشابہ کیا جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے
سب کی ڈور اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ جو اس نے چاہا۔ وہی ہؤا۔ اور نہیں چاہا نہ ہؤا اور
نہ ہوگا جسکو وہ دے اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور جس کو نہ دے اس کو کوئی دینے
والا نہیں جس پر وہ اپنی رحمت و فضل کا دروازہ کھولدے۔ اس کو کوئی بند نہیں کر سکتا
اور جس سے اپنی رحمت ہٹا لے۔ اُسپر کوئی رحمت نہیں کر سکتا جس کا رب اس کا سب ہو
پس معلوم ہؤا۔ کہ نہایت ہی محتاج اور عاجز کو ایسے قادر اور بالذات غنی کے
ساتھ تشبیہ دینا پرلے درجہ کی حماقت اور کمینہ پن ہے۔
منجملہ الٰہی کمالات کے ایک کمال مطلق ہے یعنی ہر طرح سے کامل اور بے عیب ہے۔ اسی
بنا پر وہ اکیلا عبادت کے لائق ہے۔ اسی سے خوف و رجا۔ اسی سے استعانت۔ اسی
پر توکل ہونا چاہیئے عقل و نقل اس پر متفق ہیں۔ کہ عبادت وغیرہ مذکورہ بالا امور اسی کے
شایانِ شان ہیں کسی دوسرے کو ہرگز زیبا نہیں۔ بلکہ ان کا دوسرے کے لئے ثابت کرنا
سراسر ظلم ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ باوجودیکہ رحمٰن و رحیم ہے مشرک کو نہیں بخشے گا

یہ بھی اسی کا حق ہے۔ کہ عبودیت اور خشوع وخضوع اس کے لئے کیا جائے کسی دوسرے کو یہ ہرگز حق نہیں پہنچتا۔ کہ اسکے ساتھ خشوع وخضوع اور آثار عبودیت ظاہر کئے جائیں ۔

کوئی مذہب بھی اس امر کی طرف رہنمائی نہیں کرتا جس کی برائی ہر عقل وفطرت میں مقرر ہو چکی ہے۔ لیکن چونکہ اصل فطرت اکثر افراد کی خارجی کدورتوں اور روحانی بیماریوں کی وجہ سے اس صفائی کے درجہ میں نہ رہ سکی جس سے وہ بلا کسی آگاہ کرنیوالے کے اس طرف متوجہ ہو جائے۔ اس لئے انزال کتب وارسال رسل کی ضرورت واقع ہوئی۔ کتابوں کا نازل ہونا۔ اور رسولوں کا تشریف لانا نور علی نور سمجھنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ جس کو چاہیئے اس نور کی طرف ہدایت فرمائے ۔

سجدہ بھی اسی کے خواص میں سے ہے۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنا۔ غیر کو اس کے ساتھ مشابہ کر دینا ہے۔ ایسے ہی غیر اللہ پر توکل کرنا۔ غیر اللہ کی قسم کھانا۔ غیر کے لئے توبہ کرنا۔ غیر کو اس کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔ نعوذ باللہ من ہذہ المفاسد ۔

فصل

یہ وہ صورتیں مذکور ہوئیں جن میں غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اب وہ صورتیں دیکھو جن میں خود ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہ ہو۔ تکبر۔ خود پسندی۔ اپنی مدح سرائی۔ اپنے سے خوف وامید دلانا۔ ایسے افعال ہیں جن کا مرتکب اپنے آپکو جناب باری کے مشابہ کرتا ہے۔ صحیح حدیث میں وارد ہے العظمۃ ازاری والکبریاء ردائی فمن نازعنی واحدا منہما عذبتہ یعنی عظمت میرا ازار اور بڑائی میری چادر ہے یعنی عظمت و بزرگی صرف میری ہی شان کے لائق ہیں۔ جو شخص ان میں سے ایک صفت بھی اپنے اندر ثابت کرنا چاہیگا۔ میں اس کو عذاب دوں گا مصور اسی لئے عذاب کا مستحق ہے کہ اس نے الٰہی صفت کو اپنے اندر ثابت کرنا چاہا۔ جب محض تصویر بنانے سے ایسے

خدا تعالیٰ نہیں چاہتا ہو سکتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے۔ کبھی ہوتا ہی نہیں خدا تعالےٰ
بندہ کو گناہ کا مرتکب نہ ہونے پر بھی عذاب دے سکتا ہے ایسے ہی خدا تعالیٰ کو ایسے
مکان اور محل کی طرف منسوب کیا جس سے طبیعت سلیم کو نفرت ہو۔ اور استوا
علی العرش۔ او عرش کا انکار کرنا۔ اس کے غضب و رحمت سے منکر ہونا حضرت موسیٰ
سے ہمکلام ہونیکا انکار۔ اور الوہیت مسیح سے اقرار اسکے لئے بیوی کا ثابت کرنا۔ اور ہر
جگہ میں اس کا حلول ماننا اور اس کو عین مخلوق کہنا۔ اور یہ خیال کرنا کہ آنحضرت صلعم
کے اعدا کو خدا تعالیٰ نے بلند مرتبہ پر صاحب ملک و خلافت اور معزز و مختار کیا۔ اور
آپکے محبین کو ذلیل و خوار کیا۔ جیسے کہ روز حنین کا خیال مشہور ہے۔ یہود و نصاریٰ
کا بھی یہی خیال ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ظالم بادشاہ کو بھیجا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ
کیا۔ اور خدا تعالیٰ پر طرح طرح کے الزام مدت تک لگاتا رہا۔ اور اپنے تمام افعال و اقوال کو خدا تعالیٰ
کی طرف منسوب کرتا تھا۔ سابقین انبیا و رسل کی شریعت کو منسوخ کر دیا۔ بلکہ ان کے پیروکار
لوگوں کا قتل کرنا۔ اس کا مار ڈالنا۔ اور لوٹ لینا مباح کر دیا۔ اور کہتا تھا۔ اللہ تعالےٰ
میرا مددگار ہے۔ میری دعا قبول کرتا ہے۔ اور مخالف سے انتقام لیتا ہے میں اپنے
ہر دشمن پر فتح پاؤں گا۔ پھر وہی دشمن میری تصدیق کریگا۔ اور میری صداقت کے دلائل
قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ نعوذ باللہ من ہذہ المزخرفات ؛

وہ بھی قدر شناس آدمی نہیں ہے۔ جو قائل ہو کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو جو گناہوں سے
پاک اور سلسلہ ولایت میں داخل ہیں کچھ نہ کچھ عذاب ضرور دیگا۔ اجماً ومتی اور حشر و نشر
کا انکار کرنا حالانکہ ایسے دن کی ضرورت ہے جس دن نیکوں کو نیکی کی جزا۔ اور بدوں کو
بدی کی سزا۔ اور ظالم سے مظلوم کا حق لایا جائے۔ جنہوں نے دنیا میں [illegible] رسانی
[illegible] نالت کو ترک کر دیا۔ نا جائز افعال کے پاس نہ جاتے ہوں۔ ریاضات اور مجاہدات
[illegible] عمر کو صرف کیا [illegible] ان کی فضیلت دیگر اور [illegible] بر ظاہر کی جائے ادا [illegible] نی امور

کا فیصلہ سب کے سامنے کیا جائے۔ اور کافر لوگوں پر ان کا جھوٹا ہونا صاف طور پر
ظاہر ہو جائے) اور اس کے اوامر و نواہی کو خفیف سمجھکر نافرمان اور مرتکب ہونا۔ اسکے
حق کو مد نظر نہ رکھنا۔ اس کے ذکر سے بالکل غافل رہنا۔ ہوائے نفسانی کے تابع ہو جانا
لوگوں سے خوف کرنا اور خدا تعالیٰ سے نہ ڈرنا۔ معاملہ خداوندی میں بے اعتنائی کرنا۔
دنیوی تعلقات پیدا کرنیکے لئے جد و جہد اور اطمینان سے کام لینا۔ خدائی کام میں
تساہل اور غفلت کرنا یہ سب امور خداوند عالم جل جلالہ کی قدر و منزلت نہ پہچاننے پر مبنی
ہیں۔ وہ بھی قدر خداوندی کا پاس نہیں رکھتا۔ جو خداوند تعالیٰ کے دشمن ہی کو اس کا شریک
و سہیم بناوے۔ غیر اللہ کی عبادت بالکل شیطان کی عبادت ہے کہ قال تعالیٰ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْکُمْ
یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا
یعنی اے بنی آدم کیا میں نے تم سے وعدہ نہیں لے لیا۔ کہ تم شیطان کی عبادت مت
کرو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور تم میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے مشرک
اگرچہ اپنے خیال میں ملائکہ کی عبادت کرے۔ لیکن در اصل وہ عبادت شیطان کی
ہو گی۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ
اِیَّاکُمْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ
اَکْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ یعنی ہم سب کو قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھائیں گے پھر ملائکہ
سے دریافت کرینگے۔ کہ کیا یہ مشرک لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے۔ ملائکہ عرض کرینگے
خداوندا تو سب عیوب سے پاک ہے۔ ہمارا تو تو ہی کفیل اور کارساز ہے یہ تو جنوں
شیطانوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ بہت انہیں پر ایمان لائے ہوئے۔ اور انہیں کے
پیرو کار ہیں۔ پس شیطان ہی ان کو اپنی عبادت کی طرف بلاتے تھے۔ اور ان کے دل
میں جما دیتے تھے۔ کہ ہم ہی فرشتے ہیں۔ اسے آفتاب و ماہتاب اور کواکب پرست
خیال کرتے ہیں۔ کہ ہم ان کی عبادت کرتے ہیں۔ یہی ہماری ضروریات اور حاجات

یٰس ع ۴

کو پورا کرتے ہیں۔ اسی واسطے جب آفتاب نکلتا ہے تو شیطان اس کے پاس ہی لگا رہتا ہے۔ جب وہ اس کی پوجا پاٹ میں لگتے ہیں۔ تو شیطان ہی آگے ہوتا ہے وہ سجدہ وغیرہ سب شیطان ہی کے آگے کیا جاتا ہے۔ اسیطرح غروب کیوقت آفتاب کے پاس رہتا ہے

علیٰ ہذا القیاس جو لوگ مسیح علیہ السلام اور انکی والدہ مریمؑ کو خدا قرار دے کر ان کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ درصل شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ غرض بنی آدم سے جو غیر اللہ کی عبادت کریگا۔ وہ ہر حال میں شیطان کی عبادت ہو گی۔ عابد معبود سے حصول اغراض میں بہرہ ور ہوتا ہے۔ اور معبود عابد کی طرف سے تعظیم و تکریم کے ساتھ بہرہ مند ہوتا ہے۔ اسی لئے وارد ہے وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ یعنی قیامت کے روز اُٹھا کر کہیں گے۔ کہ اے جنوں کے گروہ تمنے بہت سے آدمیوں کو گمراہ بنا دیا۔ ان کے پیرو کار انسان جواب دینگے رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ یعنی پروردگارا ہم میں سے بعض نے بعض سے فائدہ اُٹھایا ہے اور ہم اس مدت کو پا چکے ہیں جو تونے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔ خدا تعالیٰ فرمائیگا۔ کہ دوزخ ہی تمہارا ٹھکانا ہے۔ تم اس میں جب تک خدا تعالیٰ چاہے رہو۔ بیشک تیرا پروردگار دانا جاننے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ شرک اکبر الکبائر ہے۔ جو بلا توبہ ہرگز ہرگز معاف نہ ہوگا۔ اور مشرک ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔ اور شرک کی تحریم محض نہی سے نہیں۔ بلکہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے سوا اپنے بندوں کے لئے کسی اور معبود کو مشروع کر دے۔ ایسی پاک ذات جو شان ربوبیت کے ساتھ منفرد ہے۔ کیونکر دوسرے کو اپنے ساتھ شریک کر سکتی ہے۔ نعوذ باللہ من ہذا الوہم۔

جس مقصود محمود کے لئے خدا تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ اس کے منافی شرک ہے۔ اس لئے اس کا وبال بھی عند اللہ سخت ہے۔ مخلوقات کے پیدا کرنے

اور کتابوں کے نازل فرمانے سے یہی مقصود ہے۔ کہ طاعت وعبادت صرف اُسی
وحدہٗ لاشریک کی کی جائے۔ شرک اور تکبر اس مقصود کے سراسر منافی اور مزاحم ہیں
اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرک اور متکبر پر بہشت حرام کر دی ہے۔ جس کے دل میں ذرہ
بھر بھی تکبر ہوگا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ وبال کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کے اسماء صفات
اور افعال و اوصاف میں بدوں علم کے کچھ کہنا شرک و تکبر کے قریب قریب ہے۔ اور
اگر بان کر بھی خلاف کرے۔ تو یہ شرک سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور عند اللہ اس کا گناہ شرک
سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ صفات باری کا اقرار کرنے والا مشرک خدائی صفات کمالات
کے انکار کرنیوالے سے بہتر ہے۔ جیسے ایک شخص کسی بادشاہ کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اس
کے ملک اور تمام صفات کا جو بادشاہ کے لئے ضروری ہیں۔ اقراری ہیں۔ لیکن بعض
امور میں اس کے ساتھ دوسرے کو بھی شریک کرتا ہے۔ اور دوسرا شخص بادشاہ کو
بادشاہ ہی نہیں مانتا اور نہ اس کے لئے ان صفات کا اقرار کرتا ہے۔ جو بادشاہ
کے اندر ہونی چاہئیں۔ ظاہر ہے کہ اول الذکر شخص مؤخر الذکر سے ہزار درجہ بہتر ہوگا
یہی تعطیل و انکار ایک لاعلاج بیماری ہے جس کی کوئی بھی دوا نہیں ہے فرعون اسی
بیماری میں تو ڈوبا بیٹھا تھا تمسخر کرتے ہوئے بلا تکلیف خدا تعالیٰ کا انکار کر دیا کرتا
تھا۔ یہ انکار اس کے نزدیک معمولی بات تھی۔ ہم نے اس مضمون کو کتاب "اجتماع
الجیوش الاسلامیہ علی حرب المعطلۃ والجہمیۃ" میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

قول علی اللہ بلا علم اور شرک باہم لازم ملزوم ہیں۔ بدعات مضلّہ سے چونکہ
صفات الٰہی سے ناواقفی اور احکام صادقہ مشروعہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اس لئے
بدعت بھی اکبر الکبائر سے ہے۔ تمام کبیرہ گناہوں سے ابلیس علیہ اللعنۃ کو بدعت زیادہ
پسند ہے۔ بعض سلف کا قول ہے۔ کہ بدعت ابلیس کو معصیت سے زیادہ پسند ہے
کیونکہ معصیت سے توبہ ہو سکتی ہے۔ اور بدعت سے توبہ نہیں ہو سکتی۔ ابلیس کہتا

ہے۔ میں نے بنی آدم کو گناہوں کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ اور انہوں نے مجھکو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
اور استغفار سے ہلاک کر دیا۔ اس لئے میں نے ان کے دلوں میں بدعتوں کی طرف رغبت
پیدا کر دی۔ وہ بدعت کرتے ہیں۔ توبہ نہیں کرتے۔ کیونکہ اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ
اچھا کام خیال کرتے ہیں۔ گنہگار کی معصیت کا وبال اور ضرر گنہگار پر ہی ہے۔ اور
مبتدع کا ضرر سب پر پڑتا ہے۔ گنہگار شہوت میں مبتلا ہو کر گناہ کر بیٹھتا ہے۔ اور
مُبتدع اس گناہ کو دینی کام سمجھکر سر انجام دیتا ہے۔ مبتدع شخص لوگوں کو صراط مستقیم سے روکتا
ہے۔ اور گنہگار نہیں۔ مبتدع جناب باری کے اوصاف کاملہ پر جرح قدح کرتا ہے۔ گنہگار
نہیں۔ مبتدع فرمودہ حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراسر خلاف کرتا ہے اور گنہگار ایسا نہیں۔

فصل

چونکہ تعدی اور ظلم اس عدل کے منافی ہیں جس سے ارض وسما کا قیام اور انزال کتب
و ارسال رسائل کا انتظام ہے۔ اس لئے ظلم بھی اکبر الکبائر گناہوں سے ہے جسقدر
ظلم کا فساد زیادہ ہوگا۔ اسی قدر وبال اور گناہ میں زیادہ ہوگا۔ انسان کا اپنے
معصوم بچوں کو جن پر فطرتاً محبت انسانیہ اور تعلق والدین کا اظہار منحصر ہے صرف
اسی خوف سے کہ پیدا ہو کر ہمارے مال اور خورد و نوش میں شریک ہوں گے مار ڈالنا
یا اپنے والدین کو جو قدرتی طور پر اس کی ہستی کا باعث ہیں قتل کرنا نہایت ہی
سخت ظلم ہے۔ قیامت کے روز عذاب کی سختی اس شخص پر زیادہ ہوگی جس نے
کسی نبی کو یا جس کو نبی نے قتل کیا ہوگا۔ یا کسی امام عادل اور عالم کو جو لوگوں کو امر
بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو قتل کیا ہوگا۔ کسی ایماندار نفس کے قتل کی سزا خلود
فی النار ہے۔ اور ہمیشہ لعنت الٰہی کا طوق اس کی گردن میں ہے۔ ہاں اگر اسلام
سے پہلے اس جرم کا مرتکب ہو۔ تو بعد از اسلام مذکورہ بالا سزا سے مستثنیٰ ہے۔ اور اگر

مسلمان ہو کر پھر اسی جرم کا مرتکب ہو۔ اور اس فعل کے سرزد ہونیکے بعد توبہ کرے۔ تو اس
سزا سے بچ سکتا ہے۔ یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں بعض کہتے ہیں۔ کہ یہ گناہ توبہ سے معاف
نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حق العباد ہے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ توبہ سے ساقط ہو جاتا ہے
کیونکہ جب توبہ سے کفر اور سحر کبائر معاف ہو سکتے ہیں۔ تو یہ کیونکر معاف نہ ہو گا۔
قال تعالیٰ یَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ
اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ
یعنی اے میرے وہ بندو۔ جنہوں نے (گناہوں کے سبب، اپنے اوپر زیادتیاں کیں
ہیں۔ ہماری رحمت و بخشش سے ناامید مت ہو جانا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو
بخش دیگا۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے" یہ سب گناہوں کو شامل ہے۔ یہ کیسے ہو
سکتا ہے۔ کہ بندہ گناہ سے توبہ کرے۔ اور پھر اس پر عقاب بھی کیا جائے ایسے گنہگار
کی توبہ یہ ہے۔ کہ اپنے نفس کو مقتول کے سپرد کر دے۔ اب چونکہ مقتول زندہ نہیں
اس لئے شارع نے مقتول کے ولی کو اس کے قایمقام قرار دیا۔ اپنی جان کو اُسکے
سپرد کر دینا بعینہ مقتول کو سپرد کر دینا ہے۔ جیسے اداءِ مال میں قاعدہ جاری ہے۔
تحقیق یہ ہے۔ کہ قتل کے متعلق تین حقوق ہیں۔ حق اللہ حق المقتول حق الولی
پس جب قاتل نے اپنے آپکو ولی مقتول کے سپرد کر دیا۔ اور اس فعل سے نادم ہو کر
تائب ہوا۔ تو توبہ سے حق اللہ ساقط ہوا۔ اور ولی کے سپرد کر دینے سے، حق الولی بھی
رہا۔ حق المقتول سو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز قاتل تائب اور مقتول میں صلح کرا دیگا
ایسے ہی مال میں دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ جب مال وارث کو ادا کر دیا گیا۔ تو اب
اس کے ذمہ کچھ نہ رہا۔ یہ عہدہ بر آ ہوا۔ بعض کہتے ہیں۔ مطالبہ باقی رہتا ہے۔ کیونکہ
جو انتفاع وہ مظلوم اس مال سے اپنی زندگی میں اُٹھاتا۔ اس سے محروم رہا۔ بعد
میں اس کا ادا کرنا اس کے لئے کار آمد نہیں ہے۔ قتل کی مذمت عند اللہ حد سے

رسانی متصوّر ہوتی ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُقْتَلُ النَّفْسُ ظُلْمًا بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا کَانَ عَلَی ابْنِ اٰدَمَ الْاَوَّلِ کِفْلٌ مِّنْہَا لِاَنَّہٗ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ یعنی ناحق اور ظلم سے جو آدمی قتل کیا جاتا ہے۔ اس ناجائز فعل کا وبال قابیل کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس فعل شنیع کو پہلے اس نے جاری کیا۔[1] اس قسم کی وعید اول زانی یا اول سارق وغیرہ پر نہیں آئی۔ جامع ترمذی میں ہے عن ابن عباس عن النبی صلعم قَالَ یَجِیْءُ الْمَقْتُوْلُ بِالْقَاتِلِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ نَاصِیَتُہٗ وَرَاْسُہٗ بِیَدِہٖ وَاَوْدَاجُہٗ تَشْخَبُ دَمًا یَقُوْلُ یَا رَبِّ سَلْ ھٰذَا فِیْمَا قَتَلَنِیْ ہ یعنی قیامت کے روز مقتول اپنے قاتل کو لے کر حاضر ہوگا۔ پیشانی اور سر ہاتھ میں ہوگا رگیں خون سے جوش مار رہی ہونگی۔ (گویا ابھی مقتول ہوا) کہے گا۔ اے پروردگار اس سے دریافت فرما۔ اس نے کیوں مجھ کو قتل کیا۔ حاضرین نے ابن عباس سے توبہ کا ذکر کیا تو یہ آیت پڑھی[2] وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ خَالِدًا فِیْہَا اور کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی بدلی گئی۔ اس کی توبہ کہاں۔ نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ایک روز حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خانہ کعبہ کی طرف دیکھکر فرمایا وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ خَالِدًا فِیْہَا یعنی اے خانہ کعبہ تو نہایت ہی معظم ہے۔ تیری حرمت اور عزت حد سے بڑھ کر ہے۔ دمگر، مومن کی عزت وحرمت عند اللہ تجھ سے بڑھکر ہے۔ قال علیہ السلام لَا یَزَالُ الْمُؤْمِنُ

[1] مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُہَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِہَا۔ وَمَنْ سَنَّ سُنَّۃً سَیِّئَۃً فَعَلَیْہِ وِزْرُہَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِہَا۔ یعنی جو طریقہ حسنہ جاری کرے۔ اس کو اس اجرا طریقہ حسنہ کا اور جو اس پر عمل کریگا۔ اس کا اجر ملتا ہے۔ اور جو برا طریقہ رائج کرے۔ اس پر اس کا اور جو اس پر عمل کرے اس کا وبال ہوتا ہے۔ ایک عام ارشاد ہے۔ جو سب کے واسطے بالعموم وارد ہے۔ جس قسم کا گناہ ہوگا۔ اسی قسم کا وبال اسکے اول مروّج پر عاید ہوگا۔ فافہم فان الامر سہل ۱۲؎

[2] جو شخص ایماندار کو ناحق قصداً قتل کر ڈالے۔ اس کی جزا دوزخ ہوگی جس میں وہ ہمیشہ رہیگا ۱۲؎

کیا گیا ہے۔ اس کا فحش سب ادیان میں مسلم ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو زنا کو فحش نہ کہتا ہو۔ قرآن پاک نے اس کی بڑے زور سے مذمت کی ہے۔ لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَاءَ سَبِیْلًا ؕ یعنی زنا کے پاس بھی نہ جاؤ۔ یہ بہت برا کام ہے۔ اور بہت ہی خراب طریق ہے۔ انسان تو درکنار بعض حیوان لا یعقل بھی اس فعل کو برا سمجھتے ہیں۔ عمرو بن میمون اودی کہتے ہیں۔ کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں دیکھا۔ ایک بندر کو بندری کے ساتھ زنا کرتے ہوئے۔ یکایک بہت سے بندر جمع ہو گئے۔ اور ان دونوں پر پتھر مارنے لگے۔ حتیٰ کہ وہ دونوں مر گئے۔

کلام الٰہی کی آیات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صلاح و فلاح کا مدار ہی اس فعل بد سے بچنے پر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فَاعِلُوْنَ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ؕ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْعَادُوْنَ

یعنی وہ ایماندار فلاح پائیں گے۔ جو نمازوں کے اندر زاری اور خشوع کیا کرتے ہیں۔ اور بیہودہ باتوں سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھتے ہیں۔ سوا اپنی منکوحہ عورتوں یا اپنی مملوکہ لونڈیوں کے غیر سے تعلق نہیں رکھتے۔ یہ مستحق ملامت نہیں۔ جو اس کے سوا اور کوئی چاہے۔ تو وہ حد شرعی سے بڑھ جانیوالے ہیں۔ پس شرمگاہ کی حفاظت کرنیوالے کے لئے اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ مفلحین سے ہیں۔ ملوم یعنی مستحق ملامت ہے۔ حد سے بڑھنے والا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ قتل کے بعد زنا سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں ہے قرآن مجید کی بہت سی آیات میں غض بصر کی تاکید آئی ہے۔ کہ عورت نامحرم مرد۔ اور

مرد غیر محرم عورت کو نہ دیکھے- بلکہ آنکھ بند کرے- کیونکہ یہ مرض زیادہ نظر بازی سے پیدا ہوتا ہے- پہلے نظر پڑتی ہے- پھر اس کے بعد دل میں خیال اور خطرہ پیدا ہوتا ہے- پھر اسکی طرف چل پڑتا ہے- پھر گناہ کا مرتکب ہوجاتا ہے- اسواسطے کہا گیا ہے کہ جو شخص ان چار چیزوں سے بچا رہا- اسی کا دین کامل ہے- اِنکو ابواب الشیطان کہا جاتا ہے- انسان گناہوں میں زیادہ تر انہیں چار کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے- اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے- کہ ہم ہر ایک کو مفصل بیان کریں ؛

لحظات یعنی نظر بازی- یعنی یہ شہوت کا رسول اور نوکر ہے- نظر کا محفوظ رکھنا ہمیشہ شرمگاہ کا محفوظ رکھنا ہے- اور جس نے اس کی مشق کو زیادہ کیا- مہلکات میں پڑا- قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا عَلِيُّ لَا تَتْبَعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّمَا لَكَ الْأُولىٰ وَلَيْسَتْ لَكَ الثَّانِيَةُ یعنی اے علی نظر کے پیچھے نظر نہ لگانا کیونکہ پہلی نظر جو اچانک پڑ جائے- معاف ہے- اور دوسری نہیں- قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ النَّظْرَةُ سَهْمٌ مَسْمُومٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيْسَ یعنی نظر بازی شیطانی تیروں سے ایک نہایت زہریلا تیر ہے- فَمَنْ غَضَّ بَصَرَهُ عَنْ مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ أَوْ أَمْرَدَ لِلّٰهِ أَوْرَثَ اللّٰهُ فِيْ قَلْبِهٖ حَلَاوَةَ الْعِبَادَةِ إِلىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ یعنی جو کسی غیر محرم عورت یا امرد لڑکے کی خوبصورتی سے باندیشہ فسادِ چشم پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اپنی عبادت کا لطف پیدا کر دیتا ہے- قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُوَ مَجَالِسُنَا لَا بُدَّ مِنْهَا قَالَ فَإِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ فَاعِلِيْنَ فَأَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهٗ قَالُوْا وَمَا حَقُّهٗ ؟ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْأَذىٰ وَرَدُّ السَّلَامِ یعنی راستوں میں بیٹھنے سے پرہیز رکھو- صحابہ رضہ نے عرض کیا یا حضرت وہ تو ہماری نشستگاہیں ہیں- ان سے تو چارہ نہیں- فرمایا اگر بیٹھنا ہی تم کو ضروری ہے تو رستہ کا

حق اس کو دیدیا کرو۔ عرض کیا راستہ کا حق ہمپر کیا ہے۔ فرمایا چشم پوشی خس و خاشاک کا دُور کرنا۔ سلام کا جواب دینا۔ راستہ کے حقوق ہیں۔ تمام آفتوں کی جڑ نظر ہے اس سے خیال پیدا ہوگا۔ پھر شہوت۔ پھر ارادہ۔ پھر عزم بالجزم۔ پھر ارتکاب اسی وجہ سے کہا گیا ہے۔ کہ چشم پوشی پر صبر کرنا۔ اس کے بعد کی تکلیف سے آسان ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

كُلُّ[۱] الْحَوَادِثِ مَبْدَؤُهَا مِنَ النَّظَرِ ۔ وَمُعْظَمُ النَّارِ مِنْ مُسْتَصْغَرِ الشَّرَرِ

كَمْ نَظْرَةٍ بَلَغَتْ فِي قَلْبِ صَاحِبِهَا ۔ كَمَبْلَغِ السَّهْمِ بَيْنَ الْقَوْسِ وَالْوَتَرِ

وَالْعَبْدُ مَا دَامَ ذَا طَرْفٍ يُقَلِّبُهُ ۔ فِي أَعْيُنِ الْعِينِ مَوْقُوفٌ عَلَى الْخَطَرِ

يَسُرُّ مُقْلَتَهُ مَا ضَرَّ مُهْجَتَهُ ۔ لَا مَرْحَبًا بِسُرُورٍ عَادَ بِالضَّرَرِ

سب سے بڑی آفت نظر بازی میں یہ ہے۔ کہ اس سے حسرت افسوس سوزش دلی پیدا ہوجاتے ہیں۔ جبکہ وہ اپنے آپکو اسپر قادر نہیں پاتا۔ اور نہ ہی اس سے صبر کر سکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عذاب ہوسکتا ہے۔ کہ نہ تو اس سے صبر ہی ہو۔ اور نہ ہی اُسپر قدرت رکھے عجیب بات ہے۔ کہ نظر تیر ہے۔ لیکن منظور الیہ کی طرف نہیں پہنچتا۔ بلکہ ناظر کے دل میں ہی جگہ تلاش کرکے وہ بیٹھ جاتی ہے:

يَا[۲] رَامِيًا بِسِهَامِ اللَّحْظِ مُجْتَهِدًا ۔ أَنْتَ الْقَتِيلُ بِمَا تَرْمِي فَلَا تُصِبِ

وَبَاعِثَ الطَّرْفِ يَرْتَادُ الشِّفَاءَ لَهُ ۔ إِحْبِسْ رَسُولَكَ لَا يَأْتِيكَ بِالْعَطَبِ

بلکہ یہ نظر بازی دل کو زخمی کر ڈالتی ہے۔ زخم پر زخم لگتے رہتے ہیں۔ مگر ناظر ان کو محسوس

---

[۱] یہ سب آفتیں اس نظر بازی ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ گو بظاہر یہ تھوڑی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر بڑھتے بڑھتے بڑی حد تک پہنچا دیتی ہے۔ بڑی آگ بھی تو پہلے چھوٹے چھوٹے شعلے ہی ہوا کرتے ہیں۔ بسا اوقات نظر بازی دل میں ایسی کھب جاتی ہے جیسے قوس اور وتر میں تیر ہوتا ہے۔ جبتک انسان اس اُتار چڑھاؤ میں ہے۔ سمجھو کہ خطرناک حالت میں ہے۔ اس کی آنکھ ایسی چیز سے خوش ہو رہی ہے۔ جو اس کی جان کے لئے وبال ہوکر رہیگی ایسی خوشی جس میں سر سر ضرر اور تکلیف ہو۔ خدا کرے مبارک ہی نہ ہو۔ یوں ہی اچھے:

[۲] اے نظروں کے تیر انداز اور اس میں حد سے زیادہ سعی کرنیوالے اس سے تیرے ہی ہلاک ہونیکا اندیشہ ہے۔ دیکھنا کوئی کاری تیر نہ چھوڑ بیٹھنا۔ اور اے نظر کو اٹھانیوالے جسکے ذریعہ سے اپنی شفا اور حاجت براری کا متلاشی ہے۔ اپنے اس قاصد و نظر کو روک لے۔ کہیں تجھ پر کوئی آفت نہ برپا کرے:

۱) آیاتِ قرآنیہ میں خوض فکر اور اُن سے مُراد الٰہی نکالنے سے تعلق رکھیں۔
۲) آیاتِ مشہودہ میں فکر کرنا اور ان سے عبرت حاصل کرنا۔ بلکہ ان آیات مشاہدہ کو باری تعالیٰ کے اسما وصفات حکمت و احسان کرم وسخاوت پر دلائل قرار دینا۔
۳) انعامات اور احسانات الٰہیہ میں جو مخلوقات پر ہر وقت ہو رہے ہیں۔ فکر کرنا ان اقسام مذکورہ سے سب میں معرفت و محبّت اور خوف الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ اس حالت کا دایم رہنا قلب کو محبّت الٰہی کے ساتھ رنگ دیتا ہے۔
۴) نفس کے عیوب میں فکر کرنا۔ یہ فکر نہایت ہی مبارک فکر ہے۔ اس کا نفع شمار سے باہر ہے۔ یہ فکر باب الخیر ہے۔ اس سے نفس امارہ کی خوب گت بنتی ہے۔ جب اس کی سلطنت زائل ہوتی نفس مطمئنہ زندہ ہو کر اپنا اثر پیدا کریگا۔ دل زندہ ہوگا وظائف اور غیر ضروری اوقات میں فکر کرنا عارف ابن الوقت ہوتا ہے۔ اگر وقت کا پابند نہ ہو تو عارف نہیں ؎

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

اس کی تلافی ممکن نہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں صوفیائے کرام کی صحبت میں رہا۔ میں نے ان سے صرف دو باتیں حاصل کیں۔
۱) الوقت سیفٌ یعنی وقت تلوار کی طرح ہے۔ اگر تو وقت کی قطع برید نہ کرتا رہیگا۔ تو وقت تیرے لئے قاطع بن جائیگا۔
۲) حفاظتِ نفس۔ اگر تو اس کو حق کے ساتھ مشغول کریگا تو بہتر ورنہ تجھکو باطل میں گرفتار کریگا۔ درحقیقت انسان کا وقت ہی اس کی عمر ہے یہی حیات ابدیہ ہے یہی عذاب دائمی ہے۔ وقت نہایت ہی تیز رو ہے۔ جو بادلوں سے بھی زیادہ تیز رفتار ہے۔ اگر وقت کی قدر نہ کی جائے غفلت و شہوت میں گذار دیا جائے۔ تو ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔ فکر فی اللہ و باللہ کے سوا سب خطرات یا تو وساوس شیطانیہ ہونگے یا امانی باطلہ۔ تو اور خطرات سفر ہیں۔ جبتک انکی استہ عانہ ہو۔ انکی مثالی ہر کی طرح ہجہتر

اگر تو اس کی پروا نکرے۔ اور نہ بلائے تو چلا جائے گا۔ اور اگر تو اس سے آؤ بھگت کو پیش
آیا۔ تو وہ بھی تجھ سے مانوس ہوگا۔ اور اپنا اثر تجھ پر ڈال سکیگا۔ خیالات کی آؤ بھگت
نفس امارہ پر آسان ہے۔ اور نفس شریفہ پر شوار جس سے نفس مطمئنہ آرام پاتا ہے۔ اس
سے نفس امارہ پر ذکر خدا وندی بہت ہی بھاری ہے۔ حالانکہ یہی مفید ہے نفس مطمئنہ پر
ذکر غیر اللہ بھاری ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی مضر نہیں۔ نفس امارہ اور نفس مطمئنہ میں
جنگ وجدل ہوتے رہتے ہیں۔ باطل شیطان اور نفس امارہ کے ساتھ ہے حق ملک اور مطمئنہ کے ساتھ
قلب ایک لوح سادہ کی مانند ہے۔ اور خواطر نقوش کی مثال ہیں جو قلب میں منقش ہوتے رہتے
ہیں عقلمند شخص کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ کہ اس کے قلب کے نقوش کذب و غرور ضیع اوقات
کا ذریعہ ہوں۔ اگر قلب ان بیہودہ خطرات سے خالی نہ ہو۔ تو اس میں اچھے خیالات اور
عمدہ خطرات قرار نہ پکڑیں گے۔ کیونکہ وہ خالی اور فارغ محل میں جاگزین ہوتے ہیں ؎
أتاني هواها قبل أن أعرف الهوى ٭ فصادف قلباً خالياً فتمكنا۔
اسی لئے ارباب سلوک نے سلوک کا دارومدار حفظ خواطر پر رکھا ہے۔ قلب کا خالی رہنا
ضروری ہے۔ تاکہ وہ کشف اور ظہور حقایق علویات کے قابل ہے۔ لیکن بعض قلب کو
ایسا خالی رکھتے ہیں۔ کہ شیطان اس کو خالی دیکھکر اپنا تسلط کر لیتا ہے۔ ان خطرات سے
جب قلب خالی ہو جاتا ہے۔ تو شیطان آتا ہے۔ اور اس کو خالی پا کر مناسب حال
کام شروع کر دیتا ہے۔ اکثر کوتاہ اندیش صوفی اس خیال میں آکر کہ دل کا بالکل خطرات سے
خالی ہونا۔ اعلیٰ مرتبہ ہے۔ اپنے آپکو خطرات سے خالی رکھنے کی کوشش میں لگے رہتے
ہیں۔ حالانکہ خطرات کا آنا ایمان کی علامت ہے۔ مگر ان پر کاربند ہونا مومن کا کام
نہیں۔ خطرات کا دفعیہ ہی جہاد اکبر ہے۔ اس تجرید و فراغ میں کوئی کمال نہیں ہے۔ بلکہ کمال
قلب کی جلا اور صفائی میں ہے۔ اکمل اساس وہی شخص ہے۔ جسکے خطرات اور تفکرات

ملہ معشوقہ کی محبت میرے پاس آئی۔ اور میں جانتا بھی نہ تھا۔ کہ عشق و محبت کیا چیز ہوتی ہے محبت نے میرے
قلب کو ہر غیر سے خالی دیکھکر وہیں اپنا ڈیرا ڈال دیا۔ اور متمکن ہو گئی ۔ بمنہ تم عفی عنہ۔

شَهِدَ اَمْرًا فَلْيَتَكَلَّمْ بِخَيْرٍ اَوْ لِيَسْكُتْ یعنی جس کا خدا تعالیٰ اور آخرت پر
ایمان ہو۔ جب اس کو کوئی واقعہ پیش آئے۔ تو اچھی بات کہے۔ ورنہ خموش رہے
قال علیہ السلام مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ یعنی آدمی کی
خوبی اسلام کی علامت ہے۔ کہ بیہودہ کلام کو چھوڑ دے۔ سفیان بن عبد اللہ فرماتے
ہیں۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ آپ مجھے کوئی ایسی
بات بتائیں جسکی آپکے بعد دریافت کرنیکی ضرورت نہ رہے۔ آپنے فرمایا۔ کہو
اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ یعنی میں اللہ پر ایمان لایا۔ پھر اسپر مستقیم رہو۔ میں نے عرض کیا۔ کیا
مجھ پر کوئی اندیشہ خیال فرماتے ہیں۔ جو مستقیم رہنے کیواسطے فرماتے ہیں۔ آپنے
اپنی زبان پکڑی اور فرمایا هٰذَا یعنی اس کا سخت اندیشہ ہے۔ قال علیہ السلام
كُلُّ كَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَيْهِ لَا لَهُ اِلَّا اَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ وَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰی
یعنی ابن آدم کا ہر کلام اسکے لئے باعث وبال ہے۔ سوا نیک بات بتلانے اور بُرے
کام سے روکنے اور ذکر خداوندی کے۔ دوسری حدیث میں ہے جس کا خلاصہ یہ
ہے۔ کہ جب آدمی صبح کرتا ہے۔ تو تمام اعضا زبان سے کہتے ہیں۔ کہ خدا سے ڈر ہم
تیرے ساتھ ہیں۔ اگر تو درست رہی تو ہم بھی درست رہینگے۔ اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو
ہم بھی ٹیڑھے رہینگے ؛

سلف اور خلف کا اس میں اختلاف ہے۔ کہ جو منہ سے نکلے وہی لکھا جاتا
ہے۔ یا صرف اچھا اور بُرا کلام لکھ لیا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ سب لکھے
جاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ سوا ذکر الہٰی کے اور جو اس کے مناسب ہو۔ سب باعث
وبال ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کلام جب تک منہ سے نہ نکلے
تیرا قیدی ہے۔ جب تیرے منہ سے نکل گیا۔ تو اس کا قیدی ہو گیا۔ وہ آفتیں دو
قسم کی ہیں۔ کہ اگر ایک سے انسان خلاصی پائے۔ تو دوسری سے یقین نہیں بچ سکتا۔

آفتِ کلام اور آفتِ سکوت۔ ایک کا گناہ دوسری سے زیادہ ہے۔ سَاکِتٌ عَنِ الْحَقِّ
شیطانِ اخرس ہے۔ جو خدا تعالیٰ کا نافرمان اور بیہودہ کلام کرنیوالا شیطان ناطق ہو
خدا کا نافرمان ہے۔ ان دونوں سے جبھی بچ سکتا ہے۔ جبکہ درمیانی حالت پر رہے
بیہودہ کلام سے بچے۔ اور حق گوئی سے نہ رُکے۔ قیامت کے دن بعض لوگ ایسے ہونگے
کہ ان کے حسنات پہاڑوں کے برابر ہونگے۔ لیکن زبان کی طفیل چھین جائینگے۔ اور
بعضوں کے سیّئات پہاڑوں سے بھی زیادہ ہوں گے۔ مگر زبان سے اس قدر کثرت
کے ساتھ ذکر الٰہی کیا ہوگا۔ کہ اس کی وجہ سے وہ گناہ مبدل حسنات ہو جائینگے۔

خطوات (قدم اٹھا کر چلنا) حفاظت اقدام اس طرح ہو سکتی ہے۔ کہ ایسے کام پر
قدم اُٹھائے۔ جس میں ثواب کی امید ہو۔ اگر اس میں بھی چنداں ثواب نہیں۔ تو اس سے
ہٹ رہنا ہی ہے۔ دونوں لغزشیں زبان اور پاؤں کے قریب قریب ہیں۔ اسلئے
قرآن مجید میں انکو ایک جگہ بیان کیا گیا ہے قال اللہ تعالیٰ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ
یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔
یعنی خدا کے اچھے بندے وہ ہیں۔ جو زمین پر انکساری اور نرمی کے ساتھ چلتے ہیں
اور جب ان سے جاہل ناکندہ تراش ہمکلام ہوتے ہیں۔ تو سلام کہتے ہیں اور خموش ہو جاتے ہیں۔
یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ مقدمہ ہے تحریم فواحش اور حفظ فرج کے لئے۔ قال
علیہ السلام اکثر ما یدخل الناس النار الفم والفرج یعنی زیادہ تر لوگوں کو
دوزخ میں منہ اور شرمگاہ ہی لے جائینگے۔ قال علیہ السلام لا یحل دم امرئ
مسلم الا باحدی ثلاث الثیب الزانی۔ والنفس بالنفس والتارک
لدینہ۔ المفارق للجماعۃ مسلمان آدمی کا قتل سوا تین صورتوں کے جائز نہیں
ثیب زانی۔ قصاص۔ مرتد بنفسہ۔ جب عورت زنا کی مرتکب ہوتی ہے۔ اور اپنے گھرانہ
اور خاوند کی عزت اتار دیتی ہے۔ وہ شرمندہ ہو کر کسی مجلس میں بات کرنے کے لائق نہیں

اس وجہ سے تمام فواحش کو حرام کر دیا۔ اور نہ ہی خدا تعالیٰ سے زیادہ عذر و معذرت کو
کوئی دوست رکھتا ہے۔ اس لئے پیغمبروں کو بشارت دینے اور عذابات سے ڈرانے
کے واسطے بھیجا ہے۔ اور نہ ہی تعریف کو اتنا پسند کرتا ہے۔ جتنا کہ باری تعالیٰ۔ اسی لئے
کہ اس نے اپنی تعریف آپ کی ہے۔ دیکھو کہ کوئی اس کی تعریف کما حقہٗ نہیں کر سکتا۔

فصل

صحیحین میں ہے کہ صلوٰۃ کسوف کے موقعہ پر ایک مرتبہ آپ نے اثناء خطبہ میں فرمایا۔
اے امت محمدیہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا کوئی
نہیں۔ جب کہ اس کا بندہ یا بندی مرتکب زنا ہوتے ہیں۔ اے امت محمدیہ اگر تم
ان اسرار و رموز سے واقف ہو جاؤ جو مجھ پر منکشف ہیں۔ تو بہت ہی کم ہنسا کرو۔ اور
اکثر اوقات روتے ہی رہا کرو۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا اللھم ھل بلغت
یا خدا! میں تیرا حکم پہنچا چکا ہوں۔

حال کسوف کے موقعہ پر بالخصوص زنا کے ذکر کرنے سے ایک مخفی راز کی طرف اشارہ
ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہور زنا بربادی عالم کا باعث ہے۔ اور یہی علامات
قیامت سے ہے۔ صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے من
اشراط الساعۃ ان یرفع العلم ویظہر الجہل ویشرب الخمر ویظہر الزنا ویقل الرجال
ویکثر النساء حتی یکون لخمسین امراۃ القیم الواحد۔
یعنی علامات قیامت سے ہے۔ علم دین کا اٹھ جانا۔ جہالت کا پھیل جانا۔ شراب نوشی
کثرت زنا۔ مرد کم ہو جائیں گے۔ عورتیں بکثرت ہوں گی یعنی کہ ایک مرد پچاس
عورتوں کا متکفل ہو گا۔

عادۃ اللہ اس طرح جاری ہے۔ کہ جب زنا کی کثرت ہو جاتی ہے تو غضب الٰہی

نازل ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سود اور زنا موجب
عذاب ہیں۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص صالح کا ذکر کرتے ہیں کہ اسکا لڑکا کسی غیر محرم عورت
سے اشارہ وکنایہ سے باتیں کر رہا تھا۔ مگر اسکے صالح باپ کی غیرت نے جوش مارا۔ لڑکے
سے کہا اسجگہ ٹھیر۔ اتنی برداشت اس سے نہ ہوسکی کہ چارپائی سے اتر کر اسکے پاس پہنچ
سکے۔ اسی وقت غشی طاری ہوگئی اور جان بحق ہوا۔ تمام حدود سے زیادہ سختی حد زنا میں ہے
نہایت ذلت وخواری کے ساتھ مارا جانا علی رؤس الخلائق درّوں کا لگایا جانا۔ شہربدر
کردیا جانا۔ اس فعل کی شناعت وبرائی پر صاف دلالت کرتا ہے۔ حد زنا میں رأفت
ورحم کو بالکل ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ بہ نسبت اور حدود
کے حد زنا میں محدود پر حاضرین کو رحم آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس منحوس
فعل میں اشراف واوساط اور رذیل ہر قسم کے لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔ اکثر نفوس میں
اس طرف میلان پیدا ہوجاتا ہے۔ منجملہ اسباب زنا کے ایک عشق بھی ہے۔ فطرتاً عاشق
پر رحم کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ موافقت کو مروت باعث قربت خیال کیا جاتا ہے
بعض جاہل اور کوتاہ اندیش لوگ اس عشق کو باعث تقرب الی اللہ خیال کر بیٹھتے ہیں اگرچہ
وہ صورتیں کہ جن سے یہ ناجائز تعلق پیدا کیا جائے شرعاً محرمات ہی سے ہوں اور نیز
چونکہ یہ فعل اکثر جانبین کی رضامندی سے ہوتا ہے جسمیں بظاہر کوئی زیادتی اور ظلم
لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا جو باعث تنفر ہو۔ یہ ضعف ایمان پر دال ہے۔ کمال ایمان یہی
ہے کہ حدود مقررہ میں کسی قسم کی شفقت اور طرفداری متصور نہ ہو ٭

زانی محصن کی حد وہی مقرر کی گئی ہے جو قوم لوط پر مقرر ہوئی تھی۔ یعنی رجم (سنگسار
کرنا) کیونکہ زنا اور لواطت دونوں میں بے حیائی موجود ہے۔ دونوں حکمت الٰہیہ کے منافی
ہیں۔ مفعول بہ کے جنت میں داخل ہونیکی بابت اہل علم کا اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ جنت
میں داخل نہ ہوگا۔ کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت میں ولد الزنا

اور عطا بن ابی رباح و حسن بصری و سعید بن مسیب ابراہیم نخعی۔ و قتادہ و اوزاعی و ظاہر
قول امام شافعیؒ و ابو یوسف و محمدؒ فرماتے ہیں۔ زنا اور لواطت ہر دو کی عقوبت برابر ہے
اور حاکم و امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔ کہ لواطت کی عقوبت زنا کی عقوبت سے کم ہے۔
اور وہ تعزیر ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے کوئی حد مقرر نہیں کی
پس اس میں تعزیر ہوگی۔ جیسے کہ مردار خون اور خنزیر کا گوشت کھانے پر تعزیر آتی ہے
نیز لواطت ایک ایسی وطی کو بولتے ہیں۔ جو ایک ایسے محل میں واقع ہوتی ہے جس سے
طبائع انسانی فطرتاً نفرت کرتی ہیں۔ اور اس کی مثال بعینہٖ کسی حیوان چوپایہ سے وطی
کرنے کے برابر ہے۔ اور نیز اس فعل کے مرتکب کو شرعاً و لغتہً و عرفاً زانی نہیں کہتے۔ جب
اس پر زانی کا اطلاق نہیں آتا۔ تو حد زنا اس پر جاری نہیں ہو سکتی۔ جبکہ تعزیر ہوگی۔ جو امام
کی رائے پر موقوف ہے۔ اور نیز جبکہ ہم قواعد احکام شرعیہ میں غور کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا
ہے۔ کہ کسی معصیت سے روکنے کے لئے جب کوئی مانع طبعی موجود ہو۔ تو اسی مانع کو کافی
خیال کر کے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اور اگر طبائع میں اس معصیت کے ارتکاب کا اقتضا
موجود ہو۔ تو اس میں حسب اقتضاء طبیعت حد عائد ہوگی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ زنا۔ سرقہ
شرب خمر میں حد شرعی موجود ہے۔ اور مردار خون خنزیر کھانے پر حد شرعی نہیں ٭

بعض کا قول ہے۔ کہ لواطت میں اس وجہ سے حد نہیں آتی۔ کیونکہ طبائع اس سے فطرتاً
متنفر ہیں بعض کہتے ہیں۔ کہ اس فعل کے مرتکب کو زانی نہیں کہا جاتا۔ نہ لغت میں اور نہ
عرف شرع میں۔ اکثر ائمہ کا خیال ہے۔ کہ لواطت سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں۔ اس کا فساد
کفر کے قریب قریب ہے۔ اور کبھی اس کا فساد قتل سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ کسی قوم نے
حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سے پہلے ایسا کبیرہ گناہ نہیں کیا۔ اسی واسطے ان کو طرح طرح
کے عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ وہ زمین میں دھسائے گئے۔ اُن پر آسمان سے پتھر برسے
اس منحوس فعل سے زمین کانپ اٹھتی ہے۔ ملائک اِدھر اُدھر اطراف میں بھاگ جاتے ہیں۔

کہ مبادا اسجگہ عذاب الہیٰ نازل ہو۔ اور ہم بھی اس میں مبتلا ہوجائیں۔ حضرت خالد بن ولید
سیف اللہ نے جنگل میں ایک شخص کو لواطت کرتے ہوئے پایا۔ انہوں نے اس معاملہ کو
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لکھ بھیجا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے صحابہ سے
مشورہ لیا۔ کہ اس معاملہ میں کیا ہونا چاہیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صرف ایک
امت سے اس فعل کا ارتکاب ہوا تھا۔ تمکو معلوم ہے۔ جو کچھ ان پر عقوبات منجانب اللہ
نازل ہوئیں۔ میری رائے میں اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رض
نے انکی رائے کو حضرت خالد کے پاس لکھ بھیجا۔ حضرت خالد نے اسکے جلانیکا حکم دیا اور
وہ جلا دیا گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رض فرماتے ہیں۔ کہ بستی میں کسی اونچی جگہ کو دیکھا
جائے۔ مرتکب فعل اس کے اوپر سے اوندھے منہ نیچے گرا دیا جائے۔ حضرت ابن عباس رض
روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ يَعْمَلُ
عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوْا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ رواہ اہل السنن یعنی اگر
تم کسی شخص کو لواطت کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر ڈالو۔
ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ نے ایسے شخص پر تین مرتبہ لعنت فرمائی صحابہ میں رض
کا لوطی کے قتل پر اتفاق ہے۔ مگر اختلاف ہے۔ تو صرف کیفیت قتل میں ہے ؛

آیہ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ یعنی کیا تم ایسے
گناہ کے مرتکب ہوتے ہو جسکو تم سے پہلے کسی نے بھی نہیں کیا۔ لواطت کی جس قدر
شناعت ہوتی ہے۔ اظہر من الشمس ہے۔ دوسری آیت میں ہے۔ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ
الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاۗءِ یعنی کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت
پوری کرتے ہو فعل لواطت میں الہی فطرت کو پس پشت ڈالتا ہے۔ اور اس اقتضاء
فطرت کے خلاف کرتا ہے۔ جو قدرتاً عورتوں کی طرف میلان کو چاہتی ہے۔ جب
قوم لوط نے فطرت اللہ کو بدل ڈالا۔ تو خدا تعالیٰ نے ان کی بستیوں کو الٹ دیا۔ اور

اور سروں کے بل انکو اوندھا گرا دیا۔ اس قوم کو ظالمین فاسقین مفسدین اور اہل خبائث کہا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ہرچند انکو سمجھایا۔ اور انکو اس خلاف فطرت فعل سے روکا مگر باز نہ آئے۔ ملائکہ عذاب جب حضرت لوط علیہ السلام کے مکان پر آئے۔ تو لوگوں نے انکو خوبصورت لڑکوں کی شکل میں دیکھ کر فعل بد کا ارادہ کیا۔ اور حضرت لوط کے مکان کو آگھیرا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو ازحد اضطراب ہوا۔ اسپر ملائکہ نے ان کو دلاسا دیا کہ تم مت گھبراؤ۔ کیونکہ ہم ملائکہ ہیں ہم کو اللہ تعالیٰ نے انکے ہلاک کرنے کو بھیجا ہے

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ

یعنی تم اپنے اہل کو لیکر تھوڑی سی رات رہتے چل دینا۔ پیچھے پھر کر نہ دیکھنا۔ تمہاری بیوی چونکہ بدطینت ہے۔ اور ان لوگوں کے شامل حال ہے۔ پیچھے پھر کر دیکھے گی۔ تو اسپر بھی وہی عذاب نازل ہوگا جو اور لوگوں پر۔ اور انکی ہلاکت کا وقت صبح ہے۔ کیا صبح کا وقت نزدیک نہیں ہے۔ حضرت لوط نے صبح کیوقت کو بھی دیر ہی سمجھا۔ کہا میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں۔ اسپر ملائکہ نے کہا کہ صبح نزدیک نہیں ہے؟ تو صبح تو ابھی آجاتی ہے چنانچہ صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی ان کی بستیاں زمین سے اکھاڑ کر آسمان کیطرف اٹھائی گئیں حتی کہ آبادی کے کتوں کا بھونکنا۔ مرغوں کا بانگ دینا فرشتوں نے سُنا۔ قرآن مجید میں اس کا نہایت ہی عبرتناک قصہ بیان کیا گیا ہے۔ جسکو پڑھ کر دل کانپ اُٹھتا ہے۔ آناً فاناً ان کا ہلاک ہونا اپنی تمام حسرتوں کو ساتھ لے جانا۔ ہمیشہ کے لئے شقاوت کا طوق گردن میں پڑ جانا۔ ہائے ایسی ایسی سرکش اور عیش پسند طبائع کا انجام بد اس طرح پر ہونا نہایت ہی عبرتناک مقام ہے۔ کیسی شاعر نے کہا ہے۔

یا ناکح الذکران هیئتکم البشری خلقٍ * فهم معادن الناس ان لکم اجراً

یعنی اے لواطت کرنیوالو تمکو بشارت ہے یہ خوشخبری کہ قیامت کے روز تم کو اس کا اجر ضرور ملے گا ۔

کلوا و شربوا و لوطوا و اکثروا	فان لکم زفا الی نار الکبری
فاخوانکم قد مہدوا الامر قبلکم	وقالوا الینا عجلوا الکفر البشری
وما نحن اسلاف لکم فی انتظارکم	سیجمعنا الجبار فی نارہ الکبری
ولا تحسبوا ان الذین نکحتموا	یغیبون عنکم بل ترونہم جہری
ویلعن کل منہم الخلیل لہ	ولیشفی بہ المحزون فی الکرۃ الاخری
یعذب کل بالعمیق بشر لہ	کما اشترکا فی لذۃ توجبا الوزری

اگر کوئی بہایم سے فعل بد کا مرتکب ہو۔ تو فقہا کے اس بارہ میں تین قول ہیں ۱) حد تو نہیں لیکن کوئی مناسب سزا دیجائے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی کا قول ۲) حد زنا قایم کی جائے۔ یہ حسن کا قول ہے۔ ۳) لواطت کی مثل ہی قتل کر دیا جائے کیونکہ ایک حدیث بھی ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اتی بہیمۃ فاقتلوہ واقتلوہا معہ رواہ ابو داود یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو بہایم سے فعل بد کرے اس کو اور اس بہیمہ کو قتل کر ڈالو۔ جو لوگ حد کے قائل نہیں۔ وہ اس حدیث کی صحت میں کلام کرتے ہیں۔

باقی رہا عورتوں کا آپس میں ایک کا دوسری سے خواہش کو پورا کرنا۔ وہ بھی ایسا ہی گناہ ہے۔ اس نامراد مرض کا علاج (یعنی عشق) اس طرح ہو سکتا ہے کہ اپنی آنکھ کو محفوظ رکھا جائے۔ چشم پوشی میں صدہا منافع ہیں۔ مثلاً اشتغال امر باقی کا جس سے بڑھ کر دنیا اور دین میں نعمت ہی نہیں۔ یہ ایک بڑی سعادت ہے۔ اس نہ پہلے اثر

لہ کھاؤ پیو لواطت کرو۔ بہت کچھ کرو۔ آخر ایک روز دوزخ میں تو پہنچو گے۔ [illegible] پہلے دوزخ میں جا پڑے اور تم سے پہلے اپنا ٹھکانا تجویز کر لیا۔ [illegible] ہم تم سے پہلے یہاں آ پہنچے ہیں [illegible] خیال نہ کرنا کہ وہ لوگ جن سے تم نے یہ فعل لواطت کیا ہے [illegible] نہیں بلکہ وہ تمہارے ساتھ آگ سے [illegible] ہوں گے۔

[illegible]

سے محفوظ رہتا ہے جس میں مبتلا ہو کر خلاصی ہی ناممکن ہے۔ تعلق باللہ پیدا ہوتا ہے۔ اور قلب
میں یکجہتی پیدا ہوتی ہے جو باعث نور ہے۔ فراست صادقہ پیدا ہوتی ہے شاہ بن شجاع
فرماتے ہیں۔ کہ جس نے چشم پوشی کو لازم پکڑ لیا۔ اس سے فراست کبھی علیحدہ نہ ہوگی ثبات
قلب اور شجاعت کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ بصیرت اور افعال نیک پر قدرت حاصل ہوتی
ہے۔ شیطان کا دخل اور تسلط قلب پر نہیں ہوتا۔ فکر صالح کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ جو
جمیع افعال صالحہ کا منبع ہے۔ ذکر الٰہی کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے۔ افعال بد سے نفرت
ہو جاتی ہے۔ اخلاق حمیدہ حاصل ہوتے ہیں۔ قلب اور چشم میں ایک قسم کا راستہ ہے جس سے
ایک کا اثر دوسرے پر پہنچتا ہے۔ اگر نظر درست رہی تو قلب بھی درست رہیگا۔ اگر نظر میں
کسی قسم کا فساد آئے۔ تو قلب میں بھی ضرور فساد آجائیگا۔ جب قلب میں فساد پیدا
ہو گیا۔ تو پھر معرفت الٰہی کیسے وہاں جاگزین ہو سکتی ہے۔ اس قلب کو کیسے تقرب
الی اللہ حاصل ہو جس میں نجاسات اور کدورات بھری ہوئی ہیں۔ اور نور کا نشان بھی نہیں۔

دوسرا علاج اس کا یہ ہے کہ قلب کو اس طرف سے ہٹاتا رہے۔ اور خیال کرے کہ
جس محبوب کی طرف میری نظر اور خواہش ہے۔ اگر محبوب اس سے بھی اعلیٰ موجود ہے
جس نے اس کو ایسا پیدا کیا۔ پس مناسب یہی ہے۔ کہ اس اصلی محبوب کی طرف رجوع
کیا جائے۔ اور عقوبات اخرویہ کو پیش نظر رکھے۔

اگر یہ خیال قلب میں راسخ ہو جائے۔ تو ممکن نہیں کہ عشق صور اس کے قلب میں پیدا
ہو کیونکہ محبوب اعلیٰ کی محبت اور صورتوں کا عشق متضاد ہیں۔ جو کبھی جمع نہیں ہو سکتے
بلکہ ایک کا نکالنا ضروری ہوگا۔ پس اگر اسکی قلبی محبت محبوب اعلیٰ کے ساتھ وابستہ
ہو گی۔ تو امور کی محبت اور عشق سے بیزار ہوگا۔ اگر کسی کو محبوب بھی بنائیگا۔ تو صرف محبوب
اعلیٰ کیلئے واسطہ یا کوئی اور مناسب تعلق سمجھکر محبوب بنائیگا۔ اسکی محبت میں کسی غیر کی
محبت کو شریک نہیں کریگا۔ اور اگر اسکے قلب میں کدورت اور غلاظت معاصی موجود ہے

تو محبت الٰہی کم ہونی شروع ہوگی۔ آخر کم ہوتے ہوتے بالکل جاتی رہیگی۔ (اعاذنا اللہ) بلکہ
غیر اللہ کی محبت کو ترجیح دیگا کیونکہ یہ دو محبتیں ہرگز کسی قلب میں جمع نہیں ہوسکتیں
اور نہ کوئی قلب ان سے خالی ہوسکتا ہے ان میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے ؏

ایک مرتبہ صبابت کا ہے۔ اس کے معنی گرنے اور میلان کے ہیں چونکہ قلب کا میلان
محبوب کی طرف ہوتا ہے۔ اسلئے اسکو صبابت کہتے ہیں۔ اس کے بعد مرتبہ غرام کا ہے
جس کے لغوی معنی لزوم کے ہیں۔ چونکہ محبت قلب کے ساتھ لازم غیر منفک ہو جاتی ہے
اس لئے غرام کہا جاتا ہے۔ قرضخواہ کو غریم کہا جاتا ہے کیونکہ وہ قرضدار کو لازم یعنی
اس کے پیچھے قرض کے لئے لگا رہتا ہے ؏

اس کے بعد عشق[1] ہے جسکو افراط محبت سے تعبیر کرنا چاہیئے۔ اسی وجہ سے شان
جناب احدیت میں اس کا اطلاق نہیں رہتا ؏

پھر شوق ہے یعنی قلب کا محبوب کیطرف سفر کرنا۔ اس کا اطلاق جناب
احدیت میں آتا ہے بعض نے قول نبوی مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللہِ اَحَبَّ اللہُ
لِقَاءَہٗ کے یہی معنی کئے ہیں یعنی جس کو لقا اور دیدار باری کا شوق ہوگا باریتعالیٰ
بھی اس کی ملاقات کا مشتاق رہتا ہے۔ بعض اہل بصیرت آیہ مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ
اللہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللہِ لَاٰتٍ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب باریتعالیٰ نے
اپنے محبین کی محبت اور شوق کو زیادہ دیکھا۔ اور دیکھا کہ انکے قلوب محبت و شوق دیدار
کی وجہ سے مضطرب اور بے چین ہیں۔ تو انکی ملاقات اور حصول دیدار کی مدت مقرر فرمائی
تاکہ ان کے قلوب کو تسکین اور تسلی حاصل ہو۔ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں زندگی تو اہل اللہ کو نکی
ہے یہی حیات طیبہ ہے۔ جو آیہ شریفہ میں مذکور ہے[2] مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ

[1] بعض اہل مذاق کہتے ہیں یہ لفظ [illegible] یعنی عشق ایک آگ ہے جو قلب کو بالکل جلا دیتی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ عشق عشقہ سے ماخوذ ہے [illegible] ہوتی ہے۔ ویسے ہی عشق کو قلب پر [illegible] یعنی جس کا شوق لقا اس سے [illegible] ہونا ہو۔ [illegible] گھبراہٹ میں ہو تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ [illegible] کا وعدہ پورا ہوگا ؏

(۲) مرد و عورت حالت ایمان میں اعمال صالحہ کریں ہم ان کو حیات طیبہ [illegible] دینگے ؏ مترجم

ساتھ وابستہ ہونا مقصود ہے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے۔ بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وغیرہ کی بجائے لِیْ یَسْمَعُ وَلِیْ یُبْصِرُ نہیں فرمایا۔ ناواقف بسا اوقات یہ خیال کرنے لگتا ہے۔ کہ بجائے حرف با کے حرف لام زیادہ مناسب تھا۔ کیونکہ وہ غرض مطلوب پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان اعضا کی حرکت محض اللہ کے لئے واقع ہوتی ہے۔ مگر یہ محض وہم ہے اور غلط ہے کیونکہ وہ با یہاں صرف استعانت کا معنی نہیں دیتی۔ بلکہ اس میں مصاحبت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے کیونکہ ابرار اور فجار ہر دو کے حرکات اور ادراکات اللہ تعالیٰ کی امداد و اعانت سے ہوتے ہیں۔ اسلئے ابرار کی کوئی خصوصیت نہ ہوتی۔ پس صحیح معنی یہ ہونگے کہ حرف با مصاحبت کا معنی دیتا ہے۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ میرا بندہ ایسی حالت میں سنتا ہے کہ میں اس کے ساتھ ہوں۔ اور ایسی حالت میں دیکھتا ہے کہ میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں۔ جیسے کہ ایک دوسری حدیث میں ہے۔ اَنَا مَعَ عَبْدِیْ مَا ذَکَرَنِیْ وَتَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتَاہُ یعنی میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں۔ جبتک کہ وہ میری یاد میں لگا رہتا ہے۔ اور اس کے ہونٹ میری یاد میں حرکت کرتے رہتے ہیں۔ یہ وہ معیت خاصہ ہے جس کا قرآن مجید میں اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اور حدیث میں بالفاظ مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰہُ ثَالِثُهُمَا ذکر آیا ہے۔

نیز قرآن مجید میں دوسری آیات میں بھی اس معیت کا خاصہ ذکر ہے چنانچہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ احسان کرنیوالوں کے ساتھ ہے اور پھر فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ اتقا اور احسان کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔ اور پھر فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ اور پھر فرمایا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ وہ مجھے ہدایت کریگا اور موسیٰ

سلہ جناب پیغمبر خدا صلعم جب صدیق اکبر کے ساتھ جبل ثور میں جا چھپے تو تسلی کرنے کی غرض کے خوف سے اللہم خوف بیدا ہوا تو آپ نے بطرف سے بغرض اطمینان دہی ہوئی کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اور یہی مطلب حدیث مَا ظَنُّكَ کا ہے۔ یعنی اے ابوبکر تو ان دو شخصوں کی بابت کیا خیال کرتا ہے۔ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ تیسرا ہے یہ ہمراہ دہی [illegible]

اور ہارون علیہما السلام کو خطاب کر کے فرمایا اِنَّنِیْ مَعَکُمَا اَسْمَعُ وَ اَرٰی یعنی میں تم دونوں کے
ساتھ ہوں۔ ہر ایک بات کو دیکھتا سنتا ہوں۔ سو یہ معنی معیت کے صرف حرف با سے پیدا ہوتے
ہیں۔ نہ حرف ل سے اور حق یہ ہے۔ کہ بجز اس حرف با کے کلمات حدیث سے یہ پتہ نہیں لگتا
کہ انسان کس طرح بذریعہ نوافل ترقی کر کے مقام اخلاص۔ صبر و توکل اور عبودیت کو حاصل کر سکتا
ہے یہی وہ حرف با ہے جس میں یہ اشارہ مضمر ہے۔ کہ عبادات میں ہر ایک قسم کی مشکلات نفس
پر آسان ہو جاتی ہیں۔ اور تمام خوف اس کے ساتھ بدل جاتے ہیں کیونکہ جب عبد کو اللہ
تعالیٰ کی معیت کا یقین ہو جاتا ہے۔ تو اس کے دل میں ہر ایک طرح سے امن و راحت اور
جرأت آ جاتی ہے۔ اور اس پر ہر ایک مشکل آسان اور ہر ایک عظیم چیز صغیر اور انواع اقسام کے
ہموم و غموم کافور ہو جاتے ہیں۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں کوئی غم
غم نہیں اور کوئی مشکل مشکل نہیں۔ اور جب اس حرف با کی کیفیت سے عبد محروم ہو جائے
تو اس کا قلب ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کیفیت کو حاصل کرے۔
اور جب عبد اس مقام تک ترقی کر جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ہر ایک طرح سے اس عبد کے
ساتھ ہوتا ہے اور اس کو تمام امور سے کافی ہو جاتا ہے۔ اور اس کی کسی ضرورت کو ضائع
نہیں ہونے دیتا یہی معنی ہیں اس حدیث کے آخری کلمات کے وَلَئِنْ سَاَلَنِیْ
لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ یعنی میرا عبد جب میری مرضی پر
چلتا ہے اور میرے اوامر و نواہی کو دل سے ملحوظ رکھتا ہے۔ تو میں اس کی مرضی کے
مطابق ہر ایک طرح اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اور اس کو ہر ایک رنج و تکلیف سے بچا
لیتا ہوں۔ مگر اس مقام میں طرفین سے ایک قسم کا معاہدہ قائم ہو جاتا ہے۔ اور یہی
معنی ہیں آیہ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ کے۔ تا آنکہ اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے کہ
مجھے اپنے بندہ مومن کی روح قبض کرتے وقت تردد ہوتا ہے۔ جبکہ وہ مرنا نہیں چاہتا
اور میں اسے موت دیتا ہوں۔ مگر موت ایک اٹل امر ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی مصلحت

ہے۔ مگر وہ نہیں جانتا۔ کیونکہ صلبِ آدمؑ سے اس دنیا میں آنا صرف اسی غرض سے ہے کہ اپنے کمالاتِ نبی اور لقاءِ مولیٰ کو حاصل کرے یہی معنی ہیں جملہ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ کے۔ یعنی موت ایک پل ہے۔ جو دوست کو دوست تک پہنچا دیتا ہے۔ حق تو یہ ہے۔ کہ ایسے انعام کے مقابلہ میں اگر بندہ کے ایک ایک ذرہ جسم میں اللہ تعالیٰ کی محبت کامل موجود ہو۔ تو پھر بھی اس انعامِ خداوندی کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔[۱]

نقل فؤادك حيث شئت من الهوى ۔ ما الحب الا للحبيب الاول

كم منزل في الارض يألفه الفتى ۔ وحنينه ابدا لاول منزل

فصل

محبت کا سب سے اخیر مقام وہ ہے جسکو عربی زبان میں تَتَیُّم بولتے ہیں اس کے معنی عاشقِ زار کے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی محبت میں اس درجہ تک زار و ذلیل ہو جاتا ہے۔ کہ ہر ایک امر میں اسی کی رضا کا طالب ہو جاتا ہے اور بجز عجز و انکسار اس میں کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔ اپنے محاورہ میں عرب بولتے ہیں تَیَّمَہُ الْحُبُّ یعنی محبت نے اس کو زار و خستہ کر دیا یعنی بےبسی کی حالت کو پہنچ گیا۔ اسی سے مشتق ہے تَیْمُ اللّٰہ جسکے معنی ہیں عَبْدُ اللّٰہ۔ عبد کی حقیقت ذلت و خضوع کی ہے۔ اور اسی سے مشتق ہے طَرِیْقٌ مُعَبَّدٌ ای مُذَلَّلٌ یعنی معبد ایسے راستہ کو بولتے ہیں جس کو کثرتِ آیندگان و روندگان نے پامال کر دیا ہو۔ اسلئے عبد کے معنی اس شخص کے ہوں گے جسکو محبتِ الٰہی نے بےبس کر دیا ہو۔ اور نشۂ عشق

[۱] یعنی تو اپنا دل کہیں کسی پیارے سے لگائے۔ مگر اصلی محبت اسی پہلے پیارے ہی سے ہو سکتی ہے انسان اپنی زندگی میں کتنی ایک مقامات میں سکونت کرتا ہے۔ مگر اس کا وطن مالوف ہمیشہ اس کو دل میں چٹکیاں لیتا رہتا ہے [۲] بعض فقہا نے لکھا کہ آقا کو اپنے خدام کو عبدی کر کے نہیں پکارنا چاہیئے۔ کیونکہ عبودیت اللہ تبارک و تعالیٰ کا حق ہے جس کا کسی غیر کا۔ بلکہ فتائی کہنا چاہیئے۔ وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ اظہارِ ذلت و خضوع بجز حضرت باری تعالیٰ کے کسی دوسرے کے سامنے حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آقا کے بارے میں حدیث میں وعید آئی ہے۔ جس کے سامنے اس کے خدام و غلام دست بستہ کھڑے ہوں۔ کیونکہ یہ حالت نماز کی حالت سے مشابہ ہے۔ منہ۔ مترجم

الٰہی میں چور ہوگیا ہو۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انسانی معراج کمالات میں عبودیت سب سے نہائی درجہ کا نام ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی رتبہ نہیں ہو سکتا۔ اگر اس امر کی تصدیق مطلوب ہو تو قرآن مجید کی ان آیات میں غور کرو جن میں حضور علیہ السلام کو لفظ عبد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حالانکہ دوسرے مقامات میں آپکو لفظ نبی یا رسول سے تعبیر کیا گیا ہے آیات ذیل بغور پڑھو۔

(ا) وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا.... الخ یہ مقام تحدی النبوۃ کا ہے۔ جو اعلیٰ سے اعلیٰ کمال انسانی کا پایہ ہو سکتا ہے۔ لفظ عبد اس آیت میں اشارہ کر رہا ہے۔ کہ نبوت اعلیٰ مقام عبودیت پر منحصر ہے جو بجز انبیاء کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا؛

(ب) سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ.... الخ اس آیت میں لفظ عبد سے اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ معارف و اسرار ربانیہ تک عروج کرنا مقام عبودیت پر ترقی کئے بغیر ناممکن ہے؛

(ج) وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ اس آیت میں دعوت الی الحق کو حقیقت عبودیت کے ساتھ وابستہ کیا ہے جو مقام بشریت سے گذر کر مقام فنافی اللہ تک ترقی کرنے کا نتیجہ ہے؛

حدیث شفاعت میں وارد ہے اِذْهَبُوْا اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ یعنی تمام انبیاء علیہم السلام لوگوں کو جناب پیغمبر آخر الزمان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دینگے جن کی شان یہ ہے کہ وہ ایک ایسے عبد ہیں۔ جو کمال عبودیت اور کمال مغفرت الٰہی کی وجہ سے مقام شفاعت امت میں قیام کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ اور کوئی دوسرا اس مقام کے لئے سزاوار نہیں اس تقریر سے واضح ہوگیا۔ کہ مقام عبودیت سے بڑھ کر انسانی کمالات کے دائرہ میں کوئی مقام نہیں۔ اور یہ رتبہ بجز انبیاء علیہم السلام کے کسی اس درجہ کمال تک نصیب نہیں ہوا ان میں سے جناب ختمیت مآب سب سے بڑھ کر اس رتبہ کے مالک ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک ۱۲

سو معلوم ہونا چاہئیے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے خلقت کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے
(عبادت حقیقت عبدیت کا نتیجہ ہے) اور کسی شخص کو نصیب نہیں ہو سکتی جب تک وہ
کمال محبّت الٰہی سے بہرہ یاب نہ ہولے۔ اور کمال محبت کیلئے کمال ذلت اور کمال خضوع
لازم ہے۔ اور یہی وہ حقیقی اسلام ہے جسکو قرآن مجید نے ملۃ ابرٰہیم کے لفظ سے تعبیر
کیا ہے۔ اور جس کی نسبت فرمایا ہے وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ
سَفِهَ نَفْسَهٗ الآیہ یعنی ملۃ ابراہیم بجز سفیہ النفس آدمی کے کوئی بھی اعراض نہیں کر سکتا۔
کیونکہ یہ فطرت الٰہیہ ہے یہی وجہ ہے کہ شرک سب گناہوں سے بڑھ کر گناہ عظیم ہے
جس کی مغفرت نہیں کیونکہ شرک کی اصل یہی ہے کہ غیر اللہ کو محبت الٰہیہ میں شریک کیا
جاتا ہے جسکو غیرت خداوندی ہرگز جائز نہیں رکھتی اور یہی وجہ ہے کہ جبتک غیر اللہ
کی محبت کا نقش دل پر قایم رہتا ہے محبت الٰہی کا درجہ نصیب نہیں ہوتا۔ قال اللہ تعالیٰ
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ... الخ یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ
کو چھوڑ کر غیروں کو (جو عاجز مخلوق ہیں) صفات الٰہیہ میں شریک ٹھیرا لیتے ہیں
اور ان سے ایسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہیئے اور ایماندار
لوگ اللہ تعالیٰ سے بڑے درجہ کی محبت رکھتے ہیں۔ اور کسی کو اسکی محبت میں
شریک نہیں گردانتے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کا معنی یہ ہیں
اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ سے محبت کی نسبت کہیں زیادہ محبت ہوتی ہے جو شریک
کرنیوالوں کو اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ گو ایسے لوگ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت
رکھتے ہیں۔ مگر چونکہ غیر اللہ سے بھی محبت رکھتے ہیں۔ اور صفات الٰہیہ سے اس کو
متصف جانتے ہیں۔ اس لئے انکی وہ محبت جو اللہ تعالیٰ سے انہیں حاصل ہے اہل
ایمان کی محبت کی نسبت بہت کمزور اور ضعیف ہے۔ کیونکہ اہل ایمان اخلاص توحید

میں کسی غیر اللہ کو شریک الٰہی نہیں ٹھیراتے۔ چونکہ خلقت کے پیدا کرنے سے غرض یہی
کہ وہ محبت الٰہی کو خالص کریں۔ اور تمام اشیا کی محبت سے اجتناب کر کے اسی کی
طرف متوجہ ہوں۔ اس لئے آیہ مذکورہ بالا میں اللہ تعالےٰ نے محبت غیر اللہ کی مذمت
اور اسکا انکار کیا ہے۔ کیونکہ وہ انسانی اخلاص توحید ہے۔ اور جب عبد اللہ تعالےٰ
کے ساتھ سچا تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ اسکے اور اہل ایمان کے درمیان رابطہ مودت قایم
کر دیتا ہے۔ تو تمام اہل توحید اس کے ساتھ الحب فی اللہ کا تعلق پیدا کرتے ہیں۔
بخلاف اس شخص کے جو غیر اللہ سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کیلئے
نہ تو اہل ایمان کو محبت ہوتی ہے۔ اور نہ وہ ان کی شفاعت کا مستحق ہوتا ہے الغرض
حقیقت عبودیت اور اسکے لوازم شرک اور اس کے لوازم کے ساتھ کبھی جمع نہیں
ہو سکتی۔ اور یہ مسلم ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عین محبت الٰہی
ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی محبت ہر ایک ایماندار کو اپنی ذات اور دیگر
اہل قرابت کی محبت سے زیادہ اور سب سے مقدم ہونی چاہیئے کیونکہ بدون
محبت رسول کسی کو ایمان صحیح نصیب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ائمہ دین و مشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ
کی محبت بھی اسی محبت رسول کا ضمیمہ ہے۔ اور یہ سب محبتیں الحب فی اللہ کہلاتی
ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں اس کے بارے میں یہ حدیث وارد ہو چکی ہے ثلث من کن فیہ
وجد بہن حلاوة الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما و ان
یحب المرء لا یحبہ الا للہ و ان یکرہ ان یرجع الی الکفر بعد اذ انقذہ اللہ منہ
کما یکرہ ان یقذف فی النار۔ یعنی جس شخص میں تین خصلتیں ہوں
وہ حلاوت ایمان کو پالیتا ہے (١) اللہ تعالیٰ اور رسول علیہ السلام کی محبت کو تمام
اشیا کی محبت سے زیادہ اور مقدم رکھے۔ (٢) اہل ایمان کو محض اللہ تعالیٰ کی طلب رضا
کے لئے دوست رکھے (٣) کفر یا فسق و فجور کو ترک کر دینے کے بعد پھر کفر کیطرف

رجوع کرنے سے ایسا ڈرتا ہے جیسے آگ میں ڈالا جانے سے۔ اور ایک دوسری حدیث میں وارد ہے۔ من احب للّٰہ و ابغض للّٰہ و اعطی للّٰہ و منع للّٰہ فقد استکمل الایمان یعنی جو شخص محض اللہ تعالیٰ کے لئے (کسی چیز یا شخص سے) محبت رکھتا ہے اور محض اللہ تعالیٰ کے لئے (کسی چیز یا شخص سے) بغض رکھتا ہے۔ اور محض اللہ تعالیٰ ہی کی نیت پر دیتا ہے۔ اور محض اللہ تعالیٰ کی نیت پر دینے سے باز رہتا ہے۔ تو اس نے ایمان کو کامل کر لیا۔ (اس حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ کہ ہمارے تمام افعال و اعمال خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوں۔ نہ کسی دوسری غرض کے لئے۔ کیونکہ اخلاص نام ہے اپنی نیت وارادہ اور عمل کو ہر قسم کی غرض نفسانی سے پاک کرنے کا) اور محبت فی اللہ کے بارے میں ایک اور حدیث میں یوں وارد ہے۔ ما تحاب رجلان فی اللّٰہ الا کان افضلھما اشدھما حبًّا۔ یعنی جو دو شخص باہم محبت فی اللہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے افضل وہ ہے۔ جس کو دوسرے سے زیادہ محبت ہو۔ وجہ فضیلت یہ ہے۔ کہ چونکہ ایسی محبت تمام اغراض نفسانی سے پاک ہوتی ہے۔ اس لئے حصول محبت الٰہی کے لئے وہ یا وہ بعینہٖ ثابت ہوتی ہے۔ اور اسکا قوی ہونا محبت الٰہی کی دلیل ہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ مذکورہ بالا محبت کے چار اقسام ہیں۔ ان میں امتیاز کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اکثر لوگ عدم امتیاز کی وجہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اور ایک نوع محبت کو دوسری نوع محبت سے امتیاز نہیں کرتے۔ اور غلطی سے ایک نوع محبت کو دوسری نوع محبت پر محمول کر لیتے ہیں۔

(ا) محبۃ اللّٰہ۔ یہ محبت نجات اور سعادت اخروی کے لئے کافی نہیں۔ کیونکہ تمام مشرکین اور یہود و نصاریٰ بھی اس محبت میں شریک ہیں۔

ب) محبۃ ما یحب اللّٰہ۔ یعنی اس چیز کی محبت جس کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ یہی وہ محبت ہے۔ جو انسانوں کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کرتی ہے۔ اور

خلیل اللہ اور جناب محمد عربی صلی اللہ علیہما وسلم کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ
حدیث میں وارد ہوا۔ ان اللہ اتخذنی خلیلا کما اتخذ ابراہیم خلیلا یعنی اللہ
نے مجھے اسی طرح اپنا خلیل بنایا ہے جس طرح ابراہیم کو اس نے اپنا خلیل بنایا تھا۔ اور
ایک دوسری حدیث میں وارد ہے۔ لو کنت متخذا من اہل الارض خلیلا لاتخذت
ابا بکر خلیلا ولکن صاحبکم خلیل اللہ یعنی اگر میں اہل زمین میں سے اپنا خلیل کرتا
تو ابو بکر اس درجہ کے قابل ہے۔ مگر تمہارا ساتھی (خود حضور علیہ السلام) تو صرف اللہ تعالیٰ
کا خلیل ہے۔ (نہ کسی غیر کا) کیونکہ خلت سوا ایک کے کسی غیر کیلئے نہیں ہو سکتی۔ اور ایک
دوسری حدیث میں حضور نے ارشاد فرمایا انی ابرؤ الی کل خلیل من خلیلہ۔
یعنی میں ہر ایک خلیل کی خلت سے دست بردار ہوں۔ کیونکہ خلت کا مقام صرف ایک
ہی کا محل ہو سکتا ہے۔ دیکھو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی خواہش کی
تو جناب باری سے انہیں بیٹا ملا۔ اور آپکو اس سے کمال محبت و وابستگی ہو گئی۔ مگر محبوب
حقیقی کی غیرت نے تقاضا کیا۔ کہ آپ کے قلب میں کسی غیر کو بھی دخل ہو۔ فی الفور
حکم ہوا۔ کہ ابراہیم بیٹے کو ہمارے راستہ میں قربان کردو۔ اور یہ وحی خواب کی
حالت میں ہوئی تھی۔ تاکہ حکم کی تعمیل میں آپ کا پورا پورا امتحان ہو۔ حالانکہ درحقیقت
بیٹے کو ذبح کرانا مقصود نہ تھا۔ بلکہ اس امر کی طرف اشارہ تھا۔ کہ قلب کو اس کی محبت
سے خالی[1] دو۔ کیونکہ ایک قلب ایک ہی (حقیقی معبود) کی گنجائش رکھ سکتا ہے۔ جب
ابراہیم علیہ السلام نے تعمیل حکم میں سبقت کی۔ اور محبت الٰہی کو بیٹے کی محبت پر مقدم
سمجھا۔ تو مقصود اصلی پورا ہو گیا۔ یعنی غیر اللہ کی محبت آپکے قلب سے مرتفع ہو گئی
ساتھ ہی ذبح ولد کا حکم بھی اٹھا لیا۔ اور بجائے ولد کے اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کی

[1] ابراہیم ادہم رح کی نسبت لکھا ہے۔ کہ جب ایک عرصہ بعید کے بعد مکہ معظمہ میں انکا بیٹا آپ سے ملا۔ اور محبت پدری
غالب آگئی۔ تو آپنے جناب باری میں عرض کی کہ خدایا تو مجھے محبت غیر کے فتنہ سے محفوظ رکھ۔ چنانچہ
اسی روز بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مترجم

معرفت کشش بھیجا۔ تاکہ حکم کی تعمیل ایک دوسری صورت میں ہوجائے۔ کیونکہ سنت اللہ اس امر پر جاری ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی حکم کی شدت کو اُٹھانا چاہتا ہے۔ تو کسی دوسری صورت میں جو پہلے کی نسبت آسان ہو منتقل کر لیتا ہے۔ بالکلیت مرتفع نہیں ہوتا۔ جیسے مناجات رسول کے وقت صدقہ کا مستحب بنا دینا۔ جو پہلے واجب تھا۔ یا پچاس نمازوں سے پانچ کا قایم ہونا۔ جو اجر میں پچاس ہی کے برابر رکھی گئیں ؛

بعض لوگوں کو یہ گمان پیدا ہوا ہے۔ کہ محبت کا مقام خلت سے بالاتر ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ اور جناب پیغمبر علیہ السلام حبیب اللہ ہیں۔ سو یہ خیال ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ کہ محبت عام ہے۔ اور خلت خاص ہے۔ کیونکہ خلت نہایت محبت کا مقام ہے۔ اور حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم ؑ کو خلیل بنایا۔ اور اپنی نسبت بجز ذات باری کے کسی غیر کے خلیل ہونے کی نفی کر دی۔ حالانکہ محبت کا ثبوت اکثر صحابہ رضؓ کے لئے احادیث میں برابر موجود ہے۔ معہذا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ توابین۔ صابرین محسنین۔ متقین۔ مقسطین کے لئے محبت کا اظہار فرماتا ہے۔ مگر خلت بجز ابراہیم و محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام کے کسی غیر کے لئے ثابت نہیں ؛

یہ امر مقرر ہو چکا ہے۔ کہ انسان کسی مطلوب و محبوب امر کو کبھی ترک نہیں کر سکتا مگر اس صورت میں جبکہ کوئی دوسرا مطلوب و محبوب اس پہلے سے بڑھ کر اس کو مدنظر ہو۔ یعنی قوی محبوب کے حصول میں وہ ضعیف محبوب کو ترک کر سکتا ہے۔ جیسے وہ کسی امر محبوب کے حصول میں اس تکلیف کو برداشت کر لیتا ہے۔ جو بمقابلہ محبوب کے اس کو آسان نظر آتی ہے۔ اور کسی مصیبت سے نجات حاصل کرنے میں کسی دوسرے امر کی تکلیف کو آسان سمجھتا ہے۔ جو بمقابلہ اس مصیبت کے اس کو خفیف معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ فطرت انسانی اس امر کی متقاضی ہے۔ کہ وہ محبوب

انسان کے اندر یہی محبت و کراہت سعادت و شقاوت کا مبدا ہیں۔ اسی محبت و کراہت کی بنا پر انسان سے فعل کا ارتکاب اور ترک ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ترک فعل اور عدم فعل میں فرق ہے۔ ترک فعل تو اس فعل سے کراہت کا نتیجہ ہے اور عدم فعل عموماً عدم سبب کی وجہ سے ہوتا ہے*

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ فعل و ترک کو انسان اس غرض سے اختیار کرتا ہے۔ کہ انکے ذریعہ سے یا تو کسی منفعت کے حصول کی امید ہوتی ہے۔ یا کسی الم اور رنج کا زوال متصور ہوتا ہے۔ جسکو شفاء صدر یا شفاء قلب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا کہ ؎

هِيَ الشِّفَاءُ لِدَاءٍ لَوْ ظَفِرْتُ بِهَا

یعنی اگر میں اپنی آرزو میں پورا اُتروں۔ تو وہ میری مرض کے لئے بمنزلہ شفا کے ہے۔ گویا اس آرزو کا پورا نہ ہونا بمنزلہ ایک مرض ہے۔ اور اس کا پورا ہو جانا بمنزلہ شفا مرض کے ہے۔ اور منفعت کا حاصل کرنا یا کسی الم اور رنج کا دور کرنا ایک ایسا امر ہے جو حیوانات میں بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ مگر بسا اوقات اکثر لوگ اس بارے میں فاحش غلطی کر جایا کرتے ہیں یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ کسی فوری لذت پر بلا انجام سوچنے کے جھک پڑتے ہیں۔ اور اس کے نتیجہ سے غافل رہتے ہیں۔ وہ اپنے خیال میں اپنی بہتری کے طالب ہو جاتے ہیں۔ مگر درحقیقت اُلٹے چل رہے ہوتے ہیں۔ اور یہ حالت ان لوگوں کی ہوتی ہے۔ جو قصور نظر کی وجہ سے کسی امر کی حقیقت میں غور نہیں کر سکتے اور انجام کیطرف ان کی توجہ مبذول نہیں ہو سکتی۔ چونکہ عقل کا خاصہ انجام بینی ہے۔ اس لئے اس سے بڑھکر عاقل وہ شخص ہے۔ کہ انجام میں دیر کے بعد آنیوالی لذت کو موجودہ فوری لذت پر ترجیح دے۔ جو ایک آن بھر کے لئے ہے ؎

دوران بقا چو باد صحرا بگذشت ❊ تلخی و خوشی و زشت و زیبا بگذشت ❊

پنداشت ستمگر کہ ستم بر ما کرد ❊ بر گردن او بماند و بر ما بگذشت۔

اور سب سے بڑھکر بیوقوف وہ شخص ہے جو آینوالی نعیم ابدی اور لذت پائدار کو ایسی لذت کے عوض ضائع کردے جسکو وہ اپنی زندگی ہی میں تھوڑے عرصہ کے بعد کھو دیتا ہے۔ اور اس کے انجام یعنی درد و الم و حسرت وغیرہ کو بھی دیکھ لیتا ہے کیونکہ یہ مسلم ہے کہ جتنی نفسانی لذتوں سے انسان متمتع ہوتا ہے۔ ان سے کئی گنا اُن کا وبال اور درد و الم اس کو برداشت کرنا پڑتا ہے ؛

ایک صاحبِ دل عارفِ ربانی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے تمام عقلا آدمیوں کو دیکھا کہ ان کی سعی ایک ہی امر مطلوب کی نسبت ہوا کرتی ہے۔ اگرچہ ان کے طریق حصول علیحدہ علیحدہ ہوں۔ اور وہ امر واحد یہ ہے۔ کہ ہر ایک دانا آدمی یہ کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح وہ اپنے نفس سے غم و الم کو دُور کرے۔ اور ایسے لذت حاصل نہ ہو اسلیئے کوئی تو یہ کوشش کرتا ہے۔ کہ وہ اکل و شرب کی دُھن میں لگا ہے۔ اور کوئی تجارت میں۔ اور کوئی حسین عورتوں سے نکاح کرتے ہیں۔ کوئی مجلس ناچ و رنگ میں علیٰ ہذا القیاس مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ ان امور سے ان کا وہ مطلب جسکے وہ خواستگار ہیں کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ لیبا اوقات یہ امور برعکس غم و الم کا موجب ہوکر ان کی زندگی کو تلخ بنا دیتے ہیں۔ سو وجہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب امور انسان کو توجہ الی اللہ سے مانع ہیں۔ جو اطمینان حقیقی اطمنان کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اگر سالک حقیقت کو دنیوی نعمتوں سے کچھ بھی حاصل نہ ہو تو وہ خطاء علیٰ یعنی سعادت اخروی سے ہرگز محروم نہیں رہ سکتا۔ اور اگر وہ بقدر ضرورت دنیا کے متمتع ہوکر اللہ تعالےٰ کی رضا کا طالب رہے۔ تو یقیناً اس نے پوری کامیابی حاصل کی پس عاقل کو سوچنا چاہیئے کہ کس طریق پر اپنی صلاح و فلاح کو پا سکتا ہے۔ مگر اس امر کا حصول بجز توفیق الٰہی ناممکن ہے ؛ فقط

فصل

یہ واضح ہونا چاہیئے۔ کہ کسی امر محبوب کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اول وہ جو بذات
محبوب ہو۔ دوم وہ جو لغیرہ محبوب ہو۔ یعنی محبوب لذاتہ کے حصول سے کسی نہ کسی
طریق پر متعلق ہو۔ مثلاً کسی دوست کی ملاقات تو محبوب لذاتہ ہوگی۔ اور اس کے
حصول کے لئے جسقدر کوشش اور محنت اور تیاری اسباب سفر اور دیگر امور ضروریہ
سرانجام دینے پڑینگے۔ محبوب لغیرہ کھلائیں گے۔ سو محبوب لغیرہ کو صرف اس
لئے دوست رکھتا ہے۔ کہ وہ محبوب لذاتہ کے حصول کا ذریعہ ہے۔ محبوب
لذاتہ کے حصول تک ممکن ہے۔ کہ کئی ایک ایسے ذرائعہ درمیان پڑیں جو محبوب
لغیرہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے وہ سب کے سب بالعرض محبوب ہوں گے نہ بالذات
مگر درمیانی ذرائعہ خواہ کسی قدر ہوں۔ بالآخران کا سلسلہ محبوب لذاتہ پر جا کر ختم
ہو جاتا ہے۔ کسی محبوب لغیرہ کا سلسلہ لامتناہی نہیں ہو سکتا۔ ضرور کسی نہ کسی مقصد
اصلی پر جا کر اس سلسلہ کا خاتمہ ہو جائیگا۔

اس تمہید کے بعد معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ دنیا میں کوئی چیز فی الحقیقت محبوب لذاتہ
انسان کے لئے نہیں ہو سکتی۔ محبوب لذاتہ صرف محبت ذات باری ہے۔ اور باقی
جسقدر اشیاء سے محبت ہو سکتی ہے وہ صرف اس لئے ہے۔ کہ وہ کسی نہ کسی
صورت میں محبت ذات باری کے حصول میں معاون ہیں۔ مثلاً ملائکہ۔ انبیا
اولیا سے محبت رکھنا محبت ذات باری کے تابع ہے۔ کیونکہ یہ لوگ واسطۂ محبت
ہوا کرتے ہیں۔ اور ان کی تعلیم و تلقین کے بغیر کوئی شخص راہ راست پر نہیں آ سکتا
الا ماشاء اللہ سو ان لوگوں کی محبت ذات باری کی محبت کیلئے لازم و ملزوم کا
حکم رکھتی ہے۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے۔ کہ محبوب کو جن امور سے محبت ہوتی ہے

میں فتور ڈالتا ہے۔ اور مقصد اعلیٰ کے حصول سے روک دیتا ہے۔ اس صورت میں
جب تک ان اشیا سے عداوت نہ ہو جائے جن کے متعلق وہ ارادہ پیدا ہوا ہے
تب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت و دوستی پیدا نہیں ہو سکتی۔ دیکھو
اللہ تعالیٰ اسی حقیقت کو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی طرف سے کیونکر بیان فرماتا ہے
حیث قال اَفَرَاَیْتُمْ مَّا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمُ الْاَقْدَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ
عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ اس آیت شریفہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
ابراہیم علیہ السلام کے قلب باطلہ میں معبودوں کی عداوت ڈال دی جبھی آپ کو مقام
خلت کا درجہ نصیب ہوا۔ اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص غیر اللہ سے جب تک پورے
طور پر علیحدگی اختیار نہ کرے۔ اولیاء اللہ کی جماعت میں داخل ہو جائے۔ پھر فرمایا
وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ
یعنی ابراہیم علیہ السلام کے ایماندار ساتھیوں نے کفار کو یوں کہا۔ کہ ہمارے اور تمہارے
میں دائمی عداوت و بغض مستحکم ہو چکا ہے۔ اس وقت تک کہ تم اس وحدہٗ لاشریک
پر ایمان لاؤ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان نے غیر اللہ کو بمقابلہ معبود
حقیقی دشمن فرمایا۔ کیونکہ ایمان و کفر میں تضاد کلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ہوتے
ہوئے غیر اللہ کا کیا ٹھکانہ ہے؟ پھر فرمایا وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِیْ
بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ وَجَعَلَهَا کَلِمَةًۢ بَاقِیَةً
فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور
قوم کے لوگوں سے کہا۔ کہ جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو۔ میں ان سے بیزار ہوں
مگر ہاں اللہ وحدہٗ لاشریک میرا حقیقی معبود ہے جس نے مجھکو پیدا کیا۔ سو وہی مجھے
طریق حق کی ہدایت کریگا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے اسی قول یعنی غیر اللہ
سے بیزاری اور معبود حقیقی پر ایمان لانے کو پیچھے آنے والوں کے لئے کلمہ باقیہ بنا دیا

اور یہ مسلّم ہے۔ کہ جس قدر کوئی چیز زیادہ سُودمند اور انسان کے لئے زیادہ کارآمد
ہو۔ اسی قدر اس کے کھوئے جانے پر اس کو رنج و قلق زیادہ ہوتا ہے۔ اور اسی
طرح جسقدر کسی چیز کا نہ ہونا انسان کے لئے مفید ہو۔ اسی قدر اس چیز کا نہ ہونا
اس کے لئے تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اور یہ بالکل صحیح ہے۔ کہ کوئی چیز انسان کیلئے
ذکر خداوندی اور محبت الٰہی اور رضاءِ مولیٰ کے سوا مطلق مفید اور نافع نہیں ہو سکتی۔
بلکہ سچ پوچھو تو بجز توجہ الی اللہ کے انسان کیلئے کوئی نعمت اور مسرت اور بہجت متصور
نہیں۔ سو جس شخص کو یہ نعمت نصیب نہیں۔ اس سے بڑھکر کوئی عذاب میں مبتلا نہیں
مگر غیر اللہ کے تعلق اور استغراق میں اس کو اس عذاب کا احساس نہیں ہوتا۔ اور وہ
ایک مفید اور حقیقی خوشی دینے والی شے کے مفقود ہونے پر رنج و حسرت سے بالکل
بے خبر ہوتا ہے۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے۔ جیسے کوئی شخص سُکر اور بیہوشی کی حالت
میں چُور پڑا ہو۔ اور اسکے گھر کو آگ لگی ہو جس سے اس کے اہل و عیال اور مال
و جائداد ہلاک ہو جائیں۔ مگر اسے اس کا کچھ علم بھی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس نقصان
عظیم کے رنج کا اس کو کچھ بھی احساس نہ ہوگا۔ مگر جب وہ اپنی بدمستی سے ہوش میں آئیگا
تو اپنا سر پیٹنے لگے گا۔ اور گریہ و زاری اور ماتم میں اپنی زندگی کو بھی تلخ کریگا یہی
حال بعینہ اس شخص کا سمجھنا چاہیئے۔ جو دنیا کی لذت کے نشہ میں بیہوش ہو کر اپنی
عاقبت کی فکر سے غافل پڑا رہتا ہے۔ جب زبردست موت کا پنجہ اسکی گردن کو آ
مروڑیگا۔ اور بحکم فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ؕ آج
موت کے دن ہم نے تیری آنکھوں پر سے پردہ اُٹھایا سو آج تمہیں سب کچھ اپنا
اگلا پچھلا نظر آ رہا ہے۔ غفلت کی پٹی اس کی آنکھوں پر سے کھولدی جائیگی۔
دنیا اور دنیا کی تمام عزیز چیزوں سے علیحدہ ہو کر احکم الحاکمین کے حضور میں چلنے
کی تیاری ہوگی۔ تو لاکھوں حسرتوں کے ساتھ وہ اپنی حالت پر روئیگا۔ بلکہ یہ

ایک ایسا رنج ہوگا جس کی تلافی ناممکن ہوگی۔ حالانکہ دنیا کے تمام نقصانات کی تلافی ممکن تھی۔ اور ان کا عوض بھی ہو سکتا تھا۔ اس حالت میں اس کی حسرت و اندوہ کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس عذاب حسرت کے ساتھ اس عذاب کا بھی خیال کرنا چاہیئے۔ جو ملائکۃ العذاب سامنے لائینگے۔ اور جس کے برداشت کرنے کی طاقت پہاڑوں میں بھی نہیں۔ انسان کو اپنی صلاح آخرت کے متعلق اب سے فکر چاہیئے۔ اور اس کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ وہ اپنی آخرت سے غافل ہوکر کس قدر اپنے لئے رنج و غم کے اسباب مہیا کر رہا ہے اور ایسی چیز کو ضائع کر رہا ہے جس کا بدل کوئی چیز نہیں ہو سکتی ؎

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِذَا ضَيَّعْتَهُ عِوَضٌ
وَمَا مِنَ اللّٰهِ اِنْ ضَيَّعْتَهُ عِوَضٌ

یعنی ہر ایک مفقود چیز کا بدل ممکن ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کوئی شخص اس کی جگہ کسی کو بدل نہیں بنا سکتا۔ بعض صحائف انبیا میں وارد ہوا ہے۔ کہ اے انسان میں نے تجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ تو کھیل کود میں نہ لگا رہ۔ اور میں تیری روزہ کا ذمہ وار ہوں۔ سو تو مارا مارا نہ پھر۔ اے انسان تو مجھے طلب کر مجھے پالیگا۔ اور اگر تو نے مجھے پالیا۔ تو سمجھ لے۔ کہ تو نے سب کچھ پالیا۔ اور اگر تو مجھے نہ پاسکا تو سب کچھ تو نے کھو دیا۔ اور جان لے۔ کہ میں سب چیزوں سے تیرے لئے محبوب ہوں۔ فقط

فصل

چونکہ محبت ایک جنس ہے۔ جس کے ماتحت کئی ایک کئی انواع ہیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہماری ایسی محبت ہو۔ جو تمام انواع محبت سے بڑھکر

مملکت میں حکمرانی کریں۔ تو اس مملکت کا انتظام کبھی درست نہیں رہ سکیگا۔ گذشتہ
اسلامی حکومتوں کی تاریخ میں غور کرکے دیکھ لو۔ کہ جب تک ایک ہی حکمران کے ماتحت
مملکت کا انتظام چلتا تھا۔ تو اعداءِ اسلام کو غلبہ کا موقع نہیں ملا۔ جونہی کہ طوائف
الملوکی قایم ہوگئی۔ سلطنت کو زوال آنا شروع ہوگیا۔ اور یہ ایک قانون الٰہی ہے
جو ہر ایک زمانہ میں غیر متبدل ہے۔ الغرض اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات اقدس ہرگز
شرکت الوہیت پر راضی نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ پر فرمایا قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهٗ اٰلِهَةٌ
كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا یعنی اے پیغمبر کہدو
کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے۔ جیسے مشرکین خیال کرتے ہیں۔
تو اس صورت میں وہ معبود سب کے سب ذات باری عز اسمہٗ کے بندے ہوتے
اور اس کی عبادت اور اطاعت پر مجبور ہوتے۔ اور اس کی رحمت کے امیدوار
اور اسی کے عذاب سے خوف کیا کرتے۔ جیسے اور سب بندے ہیں۔ یہی اس آیت
کے صحیح معنی ہیں۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی یوں تفسیر کی ہے کہ اگر اور معبود
موجود ہوتے تو خدائے ذوالعرش پر غلبہ حاصل کرنیکے طالب ہوتے۔ اور یہ معنی
انہوں نے آیۃ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سے لئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ
اگر متعدد معبود ہوتے تو بعض دیگر بعض پر غلبہ پانا چاہتے۔ مگر یہ تفسیر ترکیب الفاظ
کے رو سے صحیح نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں بجائے اِلٰى ذِى الْعَرْشِ کے عَلَى الْعَرْشِ کا
لفظ ہوتا۔ کیونکہ علیٰ غلبہ اور علو کے لئے آیا کرتا ہے نہ الیٰ۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا
فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا سو معلوم ہوا کہ حرف الیٰ یہاں قرب و اطاعت کا مفہوم
دیتا ہے جیسے فرمایا۔ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ یعنی اس کا قرب حاصل کرنیکے لئے
وسیلہ کی طلب کرو۔ اس آیت کے متعلق اس نکتہ کو خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ
ہر ایک شخص کے ذہن میں ایسی تحقیق نہیں گذر سکتی۔

تسلیم کیا جاتا ہے جس سے اس کا ہرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ گویا شبہ اور ہوائے نفس عقل و ایمان پر پورا پورا غلبہ پا لیتے ہیں۔ برخلاف اس کے محبت محمودہ کے آثار جب غالب ہو جاتے ہیں۔ تو اسکے نتائج حمیدہ محبّ پر منکشف ہونے لگتے ہیں۔ کیونکہ اس کے تمام افعال مقام محبت میں عین طاعت خداوندی پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور ان میں نفس کا کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ اور اس کا ہر ایک عمل اس کے لئے موجب قرب ہو جاتا ہے بعینہ جس طرح کہ محبت مذمومہ والا شخص اعمال کو نفس کی اطاعت میں بجا لاتا ہے۔ اور اس کا ہر ایک عمل اس کے حق میں موجب بُعد بن جاتا ہے ۵

سیعلم یوم العرض أیّ بضاعۃ اضاع وعند الوزن ما کان حصّلا

یعنی جس دن نامۂ اعمال پیش کئے جاوینگے پیش ہونگے معلوم ہوجائیگا کہ کس سرمایہ کو اس نے کھودیا۔ اور وزن اعمال پر اسے معلوم ہوگا۔ کہ کیا کچھ کمایا تھا ۵

اور جس طرح محبت و ارادہ ہر ایک فعل کے لئے اصل ہیں۔ اسی طرح وہ ہر ایک دین حق یا باطل کے لئے بھی اصل سمجھے گئے ہیں۔ کیونکہ دین اعمال باطنی یا اعمال ظاہری پر مشتمل ہے۔ اور محبت و ارادہ ان تمام اعمال کیلئے اصل ہیں۔ اور دین اور اخلاق میں کچھ فرق نہیں بجز اس کے کہ طاعت و عبادت جب انسان کی طبیعت سے لازم ہو جاتی ہے۔ تو وہ اخلاق کہلانے لگتی ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے آیہ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ میں لفظ خلق کی تفسیر دین سے کی ہے۔ اور امام احمدؒ سے بروایت ابن عیینہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ خلق عظیم سے مراد دین عظیم ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ سے جناب پیغمبر علیہ السلام کی اخلاق کی بابت سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کان خلقہ القرآن یعنی پیغمبر علیہ السلام کے خلق عین قرآن مجید تھے۔ اور لفظ دین کے مفہوم میں خضوع و طاعت کا مفہوم داخل ہے جیسے بولتے ہیں دان اللہ ای اطاع اللہ و احبّہ

اسیر ہو کر اسطرح بے بس ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی چڑیا کسی بچہ کے ہاتھ میں گرفتار ہو جس سے وہ بچہ اپنے لہو و لعب کی خاطر ہر ایک قسم کی تکلیف دینا گوارا کرتا ہے۔ مگر بیچاری چڑیا کی جان پر مصیبت آ پڑتی ہے۔ ایسی حالت میں گو عاشق اس تکلیف کو تکلیف نہ سمجھے مگر عاقل آدمی غور کرنے سے سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس بیچارہ کی حالت کس قدر قابل رحم ہوگی جس کو اپنی خداداد نعمتوں سے فائدہ اٹھانا نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ ہر ایک قسم کی سعادت سے محروم ہو گیا جبکہ وہ لوگ جو اس موذی مرض سے محفوظ ہیں۔ ہر ایک قسم کی اپنی دینی و دنیوی بہبودی سے متمتع ہوتے ہیں کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

طلیق برای العین وھو اسیر   علیل علی قطب الھلاک یدور

یعنی ایسا شخص (عاشق) بظاہر دیکھنے میں تو آزاد نظر آتا ہے حالانکہ وہ زنجیر محبت میں سخت جکڑ بند ہو رہا ہے۔ اور ایسا بیمار ہے۔ جو محورِ ہلاکت پر گردش کر رہا ہے؛

ومیت یری فی صورۃ الحی غادیاً   ولیس لہ حتی النشور نشور

اور وہ ایک مردہ ہے۔ جو بصورت زندہ نظر آتا ہے۔ اور مردہ بھی وہ جس کے زندہ ہونیکی امید نہیں؛

اخو غمرات ضاع فیھن قلبہ   فلیس لہ حتی الممات حضور

وہ ایسے شدائد و مصائب میں مبتلا ہوتا ہے جن میں اس کا قلب ضائع ہو گیا ہے اور مرتے دم تک اس کے ملنے کی امید نہیں؛

یہ یقینی بات ہے۔ کہ جسقدر عشق صورت انسان کی دینی اور دنیوی بہبودی کے لئے مضر ثابت ہوا ہے۔ اور کوئی چیز اس قدر مضر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جمعیت خاطر جو انسان کی تکمیل دین کا عمدہ ذریعہ ہے۔ بالکل مفقود ہو جاتی ہے۔ اور دنیوی مصلحت چونکہ دینی مصلحت کے تابع ہوا کرتی ہے۔ اس لئے دینی مصلحت کے منقطع ہونے پر دنیوی مصلحت بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہر ایک قسم کی دینی و دنیوی مصیبتیں عاشق کو گھیر

اور اس مرض کا جو اثر بدن پر ہوتا ہے۔ وہ بھی ظاہر ہے۔ کہ عاشق کا جسم گھلتے گھلتے بالآخر مُشتِ استخوان بنجاتا ہے۔ جو بسا اوقات موجبِ ہلاکت ثابت ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ عشق افراطِ محبت کا نام ہے جسکی صورت یہ ہے۔ کہ معشوق کا خیال عاشق کے قلب پر اسطرح غالب آجاتا ہے۔ کہ اس کے ذہن اور خاطر سے کبھی زائل نہیں ہوتا جس سے نفس مختلف قسم کے خواطر میں مُبتلا ہوجاتا ہے۔ اور دیگر قوتیں اپنا کام کرنا چھوڑ دیتی ہیں۔ ایسی حالت میں بدن اور روح ہر دو پر آفت نازل ہوتی ہے جسکی وہ مدافعت نہیں کرسکتا۔ لہذا اسکے اخلاق اور افعال اور ارادوں میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوجاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی اصلاح سے عاجز آجاتا ہے۔ کما قیل ؎

اَلحب اول مایکون لجاجۃ　　یاتی بہا وتسوقہ الاقدارُ
حتیٰ اذا خاض الفتی لجج الھویٰ　　جاءت امورٌ لاتطاق کبارُ

یعنی محبت کی ابتدا ناری ہے جسکو تقدیر عاشق کی طرف لاتی ہے۔ تاآنکہ جب انسان محبت کے مجھدھار میں گھس جاتا ہے۔ تو بڑی بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ؎

کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

اور یہ بات درحقیقت صحیح ہے۔ کہ عشق ابتدا میں آسان اور مرغوب معلوم ہوتا ہے اور وسط میں غم و ہم جس سے عاشق کا دل ہمیشہ مصیبت میں مبتلا رہتا ہے۔ اور اسکا انجام ہلاکت ہے۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ کی عنایت شامل ہوجائے۔ تو بچ رہتا ہے۔ کما قیل ؎

وعش خالیًا فالحب اولہ عنًا　　واوسطہ سقمٌ واٰخرہ قتلٌ

یعنی عشق سے خالی رہ کر زندگی بسر کر۔ کیونکہ اس کی ابتداء تو رنج ہے۔ اور وسطی حالت بیماری ہے۔ اور آخر حالت ہلاکت۔

ایک اور نے یوں کہا ہے ؎

تولّع بالعشق حتیٰ عشق　　فلما استقبل بہ لم تطق

نے رائش یعنی اس شخص پر جو راشی اور مرتشی کے درمیان واسطہ بنکر رشوت دلاتا ہے لعنت
بھیجی ہے۔ اور ایسا شخص ظالم دیّوث کہلاتا ہے۔ سو جب رشوت دلانے میں واسطہ
بننے والے شخص کی شرعاً یہ کیفیت ہے۔ کہ وہ لعنت کا مستحق ہے۔ تو اس شخص کی
نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو۔ جو زنا کے لئے دو شخصوں کے ملانے کی بابت
کوشش کرتا ہے۔ ایسا شخص نہ صرف عاشق کو معشوق پر ظلم کرنے میں مدد کرتا ہے بلکہ
بسا اوقات اُن لوگوں پر ظلم کرنے میں بھی مدد کرتا ہے۔ جن کا موجود ہونا عاشق و معشوق
کے وصال میں مخل ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی ہزاروں نظیریں موجود ہیں جن سے ثابت
ہوتا ہے۔ کہ عاشق نے اپنے حصول مقصود کے لئے شخص مخل کو ہلاک کر ڈالا۔ یا اسکو
مال و آبرو میں کسی قسم کا نقصان پہنچایا۔ مثلاً عورت نے خاوند کو یا نوکر نے آقا کو یا کسی
رشتہ دار نے دوسرے رشتہ دار کو محض فعل حرام کی خاطر ہلاک کیا۔ اور ایسے مجرم کے
لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت تجویز کی ہے۔ اور اظہار بیزاری کیا ہے۔ اور
یہ سخت کبیرہ گناہ ہے۔ اور غور کرو۔ کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو
جو منگنی پر منگنی کرے۔ یا بائع کو پہلے مشتری سے ہٹا کر اس بات پر آمادہ کرے۔ کہ وہ خود
مشتری بنے منع کیا ہے۔ تو اس شخص کی نسبت کس حد تک سخت ممانعت ہوگی۔ جو
کسی شخص اور اسکی عورت یا لونڈی میں تفریق کرنے کی کوشش کرے۔ اور غرض صرف
یہ رکھتا ہو۔ کہ ایک فعل کا جو حرام شرعی ہے۔ مرتکب ہو۔ مگر عام طور پر ایسا دیکھا گیا ہے
کہ اس قسم کے لوگ ایسے امور کو گناہ نہیں سمجھتے۔ حالانکہ یہ ظلم ارتکاب فاحشہ (زنا)
سے ہرگز کم نہیں۔ اور اگر بعد میں زنا سے توبہ بھی کرے۔ تو غیر پر ظلم کرنے کا گناہ کسی صورت
میں ساقط نہیں ہو سکتا۔ توبہ سے حقوق اللہ اگر ساقط ہو جائیں۔ تو حقوق العباد کی
جواب دہی اس کی گردن پر باقی ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی دوسرے شخص کی عورت کو
بگاڑ دینے یا اس کے لڑکے کو بدروش بنا دینے میں سعی کرتا ہے۔ وہ اس کے تمام

کہ ایسے لوگ حصول مقصود کیلئے غیر کے مال کو ناجائز طور پر حاصل کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر کسی قسم کا جھگڑا اُٹھ کھڑا ہو تو عاشق بیجا طور پر معشوق کی اور اسی طرح معشوق اپنے عاشق کی جانب داری کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں جبر۔ جھوٹی قسم۔ خیانت۔ چوری رہزنی فریب و دغا وغیرہ گناہوں کا ارتکاب لازم ہو جاتا ہے۔ سو یہ سب بہاری گناہ محض عورت پرستی عشق بازی کا نتیجہ ہیں۔ بلکہ ان گناہوں کے ارتکاب کیے ایک نئی گناہ بھی ضروری ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایسے لوگ کفر صریح سے بھی باز نہیں آتے۔ کیونکہ کئی ایک لوگوں نے محض عشقبازی کی خاطر اسلام چھوڑ کر دوسرا مذہب قبول کر لیا ہے چنانچہ ایک مؤذن کی نسبت لکھا ہے۔ کہ مسجد مصر میں وہ اذان کہہ رہا تھا۔ کہ اس اثنا میں اس کی نظر ایک خوبصورت عورت نوجوان پر پڑ گئی۔ اور وہیں مخبوط الحواس ہو کر رہ گیا۔ آخر مسجد سے نکلکر اس کے پیچھے ہو لیا۔ اور اس سے اپنا اظہار مطلب کیا اس عورت نے کہا۔ کہ میں عیسائی مذہب رکھتی ہوں۔ تیرا مجھ سے ملاپ صرف اس شرط پر ممکن ہے۔ کہ تم بھی میرا دین قبول کر لو چنانچہ اس نے بلا تردد مذہب عیسویت کو قبول کر لیا۔ اتفاقاً اسی دن کسی ضرورت کے لئے مکان پر چڑھ رہا تھا۔ کہ ناگہاں سیڑھی سے پاؤں پھسلا۔ گرا اور چل بسا۔ (نعوذ باللہ من سوء الخاتمہ) مصنف عبد الحق نے اس واقعہ کو اپنی کتاب العاقبۃ میں لکھا ہے۔ اور نصاریٰ کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی کو اپنے مذہب کی طرف لانا چاہتے ہیں۔ تو اس کو کسی حسین[1] عورت کا چکمہ دیتے ہیں۔ اور اس عورت کو کہہ دیتے ہیں۔ کہ تم اس شخص سے ایسا سلوک کرو جس سے وہ تمہارا ہی بن جائے چنانچہ وہ شخص اس کی محبت میں بے اختیار ہو جاتا ہے۔ تو وہ عورت تبدیل مذہب کی شرط لگا دیتی ہے۔ اس موقع پر محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی اپنے بندہ کی دستگیری کر سکتی ہے۔ ورنہ معاملہ سخت دشوار ہو جاتا ہے۔ الغرض عاشق و معشوق میں سے ہر ایک دوسرے کی ظلم میں امداد کرتا ہے۔ اور درحقیقت اپنے ہی نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور معشوق بھی ایک طرح سے یوں

[1] معلوم ہوتا ہے کہ نصاریٰ کا یہ پرانا دستور ہے۔ آج بھی اکثر اسی جادو سے کام لیا جاتا ہے ۱۲ مصنف مترجم

أخلو به فأعف عنه تكرما | خوف الديانة لست من عشاقه
كالماء في يد صائم يلتذ به | ظمأ فيصبر عن لذيذ مذاقه

یعنی میں اپنے معشوق کے ساتھ کہیں خلوت میں ہوتا ہوں۔ تو کریم النفسی کی وجہ سے عفت کا پابند رہتا ہوں۔ اور بوجہ خوفِ دیانت ایسا ہوتا ہوں۔ کہ میں اس کا عاشق ہی نہیں۔ جیسے روزہ دار پانی کو سامنے پاکر مارے پیاس کے اس سے لذت پاتا ہے: مگر اس کے پینے سے باز رہتا ہے؛

ابو اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں۔ کہ عاشقوں کی روحیں معطر اور لطیف ہوتی ہیں۔ اور ان کے اجسام رقیق و خفیف ہوتے ہیں۔ اُنس انکی خوشی خاطر ہوتی ہے اور ان کا کلام مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور عقل کو ترقی دیتا ہے۔ اور اگر عشق و محبت نہ ہوتے تو دنیا کی تمام لذتیں ناکارہ ہوتیں؛

اور کسی دوسرے نے کہا ہے۔ کہ عشق رُوح سے وہی نسبت رکھتا ہے۔ جو غذا کو بدن سے ہے۔ اگر بالکل چھوڑ دو۔ تو موجبِ زیان ہے۔ اور اگر حد سے بڑھا دو۔ تو مہلک ہے ؎

لا عيش إلا بالحبيب يطيب

یعنی کوئی عیش بدون محبوب کے خوش نہیں آ سکتی؛

اور خرائطی بروایتِ ابو غسّان راوی ہیں۔ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گذر رہے تھے۔ کہ آپ نے ایک نوجوان لڑکی کو یہ کہتے سُنا ؎

وهويته من قبل قطع تمائمي | متمائلا مثل القضيب الناعم

یعنی لڑکپن سے پہلے ہی جبکہ اس کا قد نرم شاخ کی طرح جھک جانے والا تھا۔ میں اُس پر مفتون ہو چکی تھی۔ یہ کلام سنکر آپ نے اس سے دریافت کیا۔ کہ تو آزاد ہے یا لونڈی اس نے جواب دیا۔ کہ میں لونڈی ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ تم کس سے محبت رکھتی ہو۔ تو

میرا یہ حال بنا رکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ اس سے متمتع ہو سکتے ہیں۔ جواب دیا
کہ تمتع ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ نظر مباح۔ لذت ممنوع۔ نظر مباح نے تو میری یہ حالت
بنا رکھی ہے۔ اور لذت ممنوع کی نسبت مجھے ایک حدیث یاد ہے۔ جو بروایتِ ابن
عباس رضی اللہ عنہ مروی ہے جسکو وہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں مَنْ عَشِقَ
وَكَتَمَ وَعَفَّ وَصَبَرَ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَ اَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ یعنی جس شخص نے
عشق اختیار کیا۔ اور اسکو مخفی رکھا۔ اور پاکدامن رہا۔ اور ہوائے نفس سے اپنی تئیں
روکا۔ تو اللہ تعالیٰ اُسے مغفرت کر دیتا ہے۔ اور اس کو جنت میں داخل کریگا۔

پھر انہوں نے کچھ اشعار پڑھے۔ جن میں سے ایک شعر کا مطلب یہ تھا۔ کہ اگر اس کے
عارض پر خط نمودار ہوا ہے۔ تو کیوں اُسے بُرا سمجھا جاتا ہے۔ کیا عارض پر خط کا نمودار
ہونا عارض کے لئے موجب عیب ہو سکتا ہے۔ اگر یہی بات ہے۔ تو پھر اسکی چشم جادو
کو مژگان کی وجہ سے بُرا سمجھنا چاہیئے۔ میں نے سنکر کہا کہ حضرت مسائل فقہیہ میں تو
آپ ایک امر کو دوسرے پر قیاس کرنیکے منکر ہیں۔ شعر میں جائز رکھتے ہیں (کیونکہ
عارض کو چشم پر قیاس کیا ہے۔ جن میں ایک وصف یعنی بالوں کا نمودار ہونا مشترک
امر ہے) جواب دیا۔ میاں رہنے دو۔ غلبۂ عشق نے مجبور کر دیا۔ یہ کہا اور تھوڑی
دیر بعد دُنیا سے رخصت ہو گئے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

انہی کی نسبت لکھا ہے۔ کہ کسی نے حسب ذیل استفتا ارسال کیا ؎

یَا ابْنَ دَاؤُدَ یَا فَقِیْهَ الْعِرَاقِ اَفْتِنَا فِیْ فَوَاتِرِ الْاَحْدَاقِ
هَلْ عَلَیْهَا بِمَا اَتَتْ مِنْ جُنَاحٍ اَمْ حَلَالٌ لَهَا دَمُ الْعُشَّاقِ

یعنی اے ابن داؤد ملک عراق کے فقیہ ! ہمیں نازنین کی چشم نیمخواب کی بابت فتویٰ دو
کہ آیا اسپر غمزۂ جادو کا گناہ کچھ عائد ہوتا ہے۔ یا خونِ عشاق اس پر حلال ہے۔؟
تو اس استفتاء کے ذیل میں چند اشعار آپنے لکھ دیئے۔ جنمیں سے ایک شعر یہ ہے ؎

ان کان معشوقٌ یُعذِبُ عاشِقاً　　کان المعذب انعم العشاق

یعنی اگر کوئی معشوق اپنے عاشق پر عذاب جائز رکھتا ہو۔ تو وہ عاشق بڑا خوش قسمت ہے۔

عبداللہ بن معمر قیسی کہتے ہیں۔ کہ ایک سال میں فراغت حج کے بعد روضۂ مطہرہ جناب نبوی علی اصاحبہا التحیۃ والسلام کی زیارت کے لئے گیا۔ اور رات کو تربتِ مقدس اور منبر کے درمیان بیٹھا تھا کہ ایک رونیوالی کی آواز میرے کانوں میں پڑی۔ کان لگا کر سنا تو وہ کہہ رہا تھا ؎

اشجاك نوحُ حمائم السدر　　فاھجن منك بلابل الصدر

ام عن نومك ذكر غانيةٍ　　اهدت اليك وساوس الفكر

یا ليلة طالت علىٰ دَنِفٍ　　يشكو السُّهادُ وقلّة الصبر

الی آخر الابیات

خود اپنے نفس کو خطاب کر کے کہتا ہے۔

آیا بیری کے درخت پر کبوتریوں کے نالۂ درد انگیز نے تیرے دردِ دل کو ابھارا ہے؟ نہیں بلکہ تجھے اس نازنین کی یاد میں نیند نہیں آتی جسنے تجھے وہم وسوسہ کا مالک بنادیا اللہ رے درازی شب اس عاشق بیمار پر جو بیخوابی و بےصبری کی شکایت کر رہا ہے ؛

اِس کے بعد اس کی آواز منقطع ہو گئی۔ اور میں نہ جانتا تھا کہ کس طرف سے آرہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر گریہ کی آواز سنتا ہوں۔ تو وہ کہہ رہا تھا۔

یا لیلُ طُلتَ علی محبٍ مالہٗ　　الّا الصباح مساعد و موازرٌ

فاجابنی مُت حینئذ لك وعلن　　ان الھویٰ لھو الھوان الحاضر

یعنی اے رات تو ایسے عاشق پر دراز ہو گئی۔ جسکے لئے بجز صبح کے کوئی مددگار نہیں رات نے مجھے جواب دیا۔ کہ تو اپنی موت مر۔ اور جان لے۔ کہ محبت تو ذلت ہی ذلت ہے

راوی کہتا ہے۔ کہ میں اس آواز پر اس کی طرف پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک

نوجوان شخص ہے۔ جس کے رُخساروں پر گریہ سے دھاریاں پڑ گئی تھیں میں نے السلام علیکم کہا۔ مجھی کہا کہ بیٹھو اور بتلاؤ۔ کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں عبد اللہ بن معمر قیسی ہوں پھر مجھ سے کہنے لگا۔ کہ تجھے مجھ سے کام ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ میں روضہ منورہ پر بیٹھا تھا۔ کہ تیری حزین آواز نے مجھے ڈرایا سو تم مجھے اپنی سرگذشت سناؤ۔ اسنے کہا کہ میں عتبہ بن حباب انصاری ہوں۔ ایک دن میں مسجد احزاب کی طرف گیا اور میں نے وہاں نماز پڑھی۔ پھر میں وہاں علیحدہ ہو کر بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک گروہ عورتوں کا جا رہا تھا۔ ان میں ایک خوبصورت نوجوان لڑکی تھی وہ کھڑی ہو کر مجھسے کہنے لگی۔ کہ اے عتبہ۔ جو تمہاری ملاقات کا خواہاں ہو۔ کیا تم اس سے ملاقات کرو گے۔ یہ کہا اور چل دی۔ پھر مجھے اس کا کچھ پتہ نہیں ملا۔ کہ کہاں گئی۔ اب میں حسرت زدہ اور مجنون ادہر ادہر مارا پھر رہا ہوں۔ یہ کہکر وہ بیہوش ہو گیا۔ جب ذرا ہوش میں آیا۔ تو کہنے لگا ؎

ارا کم بقلبی من بلادٍ بعیدۃٍ فیا ھل ترونی بالفؤاد علی بُعدی

فؤادی وطرفی یاسفان علیکم وعندکم روحی وذکرکم عندی

ولست الذ العیش حتی ارا کم ولو کنتُ فی الفردوس فی جنۃ الخلد

یعنی میں تو تمہیں دور ہی سے اپنے دل میں دیکھ رہا ہوں۔ کیا تم بھی مجھے دور سے اپنے دل میں دیکھتے ہو میرا دل اور میری آنکھ دونوں تمہاری خاطر اندوہ زدہ ہیں۔ اور میری جان تمہارے پاس۔ اور تمہاری یاد میرے پاس ہے۔

میں جبتک تمہیں نہ دیکھ پاؤں۔ مجھے زندگی کا کچھ لطف نہیں۔ اگرچہ بظاہر جنت الفردوس میں میرا مقام ہو۔

میں نے اسے کہا۔ بھائی توبہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہو۔ کیونکہ قیامت کا بھاری خوف تمہارے سامنے ہے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ میرا گریہ کبھی بند نہیں ہو گا۔

امداد فرمادیں۔ انہوں نے کہا بہت بہتر۔ ہم معہ اُن اکابر کے فی الفور سوار ہو لئے۔ حتی کہ منزل بنی سلیم میں پہنچے۔ غطریف کو ہمارے ورود کا علم ہوا۔ وہ جھٹ استقبال کیلئے باہر آیا اور نہایت عزت و اکرام سے پیش آیا۔ ہمنے اسے کہا۔ کہ ہم لوگ تمہارے مہمان ہو کر آئے ہیں اُسنے کہا کہ بسر و چشم۔ پھر اُسنے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ کہ ان معزز مہمانوں کے لئے لوازمِ ضیافت کو ادا کرو۔ وہ لوگ ہماری ضیافت کے ضروریات میں لگ لئے۔ ہمنے کہا کہ ہم تمہارا کھانا نہیں کھائینگے۔ جبتک تم ہماری حاجت روائی نکرو گے۔ اُسنے پوچھا کہ کیا حاجت ہے۔ ہمنے کہا کہ تمہاری لڑکی (ریا) کا رشتہ عتبہ بن حباب کیلئے مانگتے ہیں۔ اسنے کہا کہ یہ معاملہ لڑکی کی مرضی پر منحصر ہے۔ میں اس سے پوچھ لیتا ہوں۔ جب وہ لڑکی کے پاس گیا۔ اور اس سے دریافت کیا۔ تو اُسنے کہا کہ اے باپ وہ لوگ شرفائے عرب ہیں اور جناب رسول علیہ الصلوٰۃ و السلام نے انکے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہی۔ مگر آپ تو بتائیں۔ کہ کسکے لئے میرا رشتہ مانگتے ہیں۔ باپ نے کہا۔ کہ عتبہ بن حباب کے لئے۔ اس نے کہا کہ بخدا میں عتبہ سے یہ بات پہلے بھی سُن چکی ہوں۔ اور بیشک وہ وعدہ کا پورا اور اپنے مقصد کا پکا ہے۔ باپ نے کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ تیرا ازدواج عتبہ سے ہرگز جائز نہیں رکھوں گا۔ کیونکہ اس کی اور تیری محبت کا معاملہ بعض لوگوں کے نزدیک پہنچ چکا ہے۔ بیٹی نے کہا۔ اس بات کی تو اصلیت کچھ نہیں۔ ہاں مگر جب تو قسم کھا چکا ہے۔ تو اب انصار جیسے معزز مہمانوں کو کسی نیک تدبیر سے ٹالنا چاہیئے۔ باپ نے کہا کہ پھر کیا صورت ہو؟ اس نے کہا کہ مہر گراں کر دو۔ وہ خود رہ جائینگے۔ باپ نے کہا کہ تمہارا یہ خیال بہت صحیح ہے۔ باپ نے انہیں جا کر بیٹی کی رضامندی سے اطلاع دیدی مگر ساتھ ہی یہ بھی کہدیا۔ کہ میں اس کا مہر بہت بھاری مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ صاحبان میں سے کون ذمہ لینا چاہتے ہیں؟ عبداللہ بن معمر نے کہا کہ میں۔ تم جو کہو۔ مجھے منظور ہے۔ اسنے کہا کہ ایک سو مثقال سونا۔ اور ایک سو چادر اور پانچ عنبر کے قرص۔ عبداللہ نے کہا منظور ہے

اور نہ کوئی نفس کسی دوسرے نفس سے ہم جیسا یار موافق ثابت ہوگا۔

یہ کہا اور ایک لمبا سانس لیا۔ اور چت ہو گئی۔ ہمنے تجہیز و تکفین کر کے ہر دو کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا۔ اور سخت حسرت زدہ ہو کر گھر کو واپس آئے۔ قریباً سات سال گذر کر مجھے سفر حجاز کا اتفاق ہوا۔ اور پھر مدینہ منورہ کو واپس آیا۔ اور دل میں عتبہ کی قبر دیکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو دیکھا۔ کہ قبر پر ایک درخت اُگا ہوا ہے۔ جسپر سُرخ اور زرد شاخیں تہیں۔ میں نے وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا۔ کہ اس درخت کا کیا نام ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں اسکو شجرۃ العروسین یعنی دولہا اور دلھن کا درخت بولا کرتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

الغرض اگر عشق مطلق حرام ہوتا۔ تو حدیث من عشق و عف وکتم الخ جو کئی ایک طریق سے مروی ہے۔ اس کے جواز پر دلیل نہ ہوتی۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ خود جناب نبوی کو حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے غایت درجہ کی محبت تھی۔ چنانچہ حبیبۃ رسول رب العالمین آپکا لقب تہا ابو محمد بن حزم لکھتے ہیں۔ کہ سلف صالحین میں سے کئی ایک لوگ محبت کا شکار ہوئے۔ مگر ان میں سے کسی کی محبت حدِ شرعی سے متجاوز نہ تھی۔ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی محبت اپنی ایک لونڈی سے درجۂ عشق تک پہنچ چکی تہی حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے پاس ایک شخص نے آکر بیان کیا۔ کہ اے امیر المؤمنین میں ایک عورت پر مفتون ہو گیا ہوں۔ آپنے فرمایا۔ کہ یہ امر تیرے قبضۂ قدرت سے باہر ہے۔ علی ہذا القیاس اس قسم کے سینکڑوں نظائر موجود ہیں۔ جن سے عشق و محبت کے جواز کا پتہ ملتا ہے فقط

آئندہ فصل میں مذکورہ بالا بیان پر اپنی رائے لکھیں گے۔ اِنشاء اللہ تعالےٰ

آنکھوں سے اوجھل رکھی گئی ہیں۔ بلکہ ان لذتوں کی شان یہ ہے۔ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ یعنی نہ آنکھوں دیکھی اور نہ کانوں سُنی۔ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ اور نہ کسی انسان کے دِل پران کا کبھی خیال تک گذرا ہے۔ دیکھو ناصح قوم نے انہیں لذات کی طرف اپنی قوم کو بدیں الفاظ توجہ دلائی۔ یَا قَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ یعنی اے لوگو یہ دنیا کی ناپائیدار زندگی۔ تو محض چند روزہ تمتع ہے۔ اور جنّتِ آخرت ہمیشہ کا ٹھکانا ہے۔ سو تم سمجھو۔ اور ضد نہ کرو۔ اور اس فانی کے عوض باقی کو مت ضائع کرو۔

چونکہ دُنیا کی تمام لذّتیں ناپائیدار ہیں۔ اس لئے مطلوب و محمود نہیں ہو سکتیں بلکہ ان میں سے صرف وہ لذتیں جو دارِ آخرت کی لذّتوں کے لئے ذریعہ ہو سکتی ہیں مطلوب و محمود ہونگی۔ اور دیگر تمام مذموم قرار پائیں گی۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ دارِ آخرت کی تمام لذّتوں میں سے سب سے اعلیٰ لذّت دیدارِ الٰہی کی ہوگی جس کا مقابلہ کوئی اور لذت نہیں کر سکتی۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔ کہ بخدا اللہ تعالیٰ نے اہل جنّت کو کوئی چیز اپنی روئیت (دیدار) سے بڑھکر مرغوب و محبوب عطا نہیں فرمائی۔ اور ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے کہ انه اذا تجلّٰی لَهُمْ وداوہ لنسوا ماهم فيه من النعيم یعنی اللہ تعالیٰ جب اہل جنّت پر جلوہ افروز ہوگا اور وہ اسے دیکھیں گے۔ تو جنّت کی تمام لذّتوں کو بھول جائیں گے۔

اور مسند امام احمدؒ میں بروایت عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام دُعا میں فرمایا کرتے۔ وَاَسْئَلُكَ اللّٰهُمَّ النَّظَرَ اِلٰی وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِكَ یعنی خدایا میں تجھ سے تیرے دیدار کا سائل ہوں۔ اور تیرے لقا کے شوق کا خواہاں ہوں۔

اور کتاب السُّنتہ عبداللہ بن امام احمدؒ میں مرفوعاً مروی ہے۔ کہ قیامت کے دن جب لوگ اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید کا سماع کریں گے تو وہ خیال کرینگے۔ کہ قبل ازیں انہوں نے کبھی قرآن شریف کو نہیں سُنا۔ الغرض ذات باری کے جمال کی رویت وہ بیش بہا اور بے بدل نعمت ہوگی جس کو الفاظ میں تعبیر کرنا محال ہے۔ اس لیئے جو امر کہ اس بے بدل نعمت کے حصول کا ذریعہ ہوسکے۔ وہ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ لذت شمار کیا جائیگا۔ اور وہ امرِ معرفت و محبتِ ذات باری ہے۔ سو دنیا میں اگر کوئی بڑی سے بڑی قابل قدر اور بے بدل لذت ہے۔ تو وہ ذات باری کی محبت ہے جو بدوں معرفت باری کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور دنیا کی باقی لذتیں اس لذت کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہیں رکھتی۔ جو قطرہ کو بحرِ زخار سے نسبت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روح اور قلب اور بدن کو محض اسی خاطر پیدا کیا ہے۔ اور اسی لذت کو دُنیا میں سرورِ حقیقی اور بہجتِ قلبی کا واسطہ بنایا ہے۔ جب کسی سعادتمند کو مقام معرفت نصیب ہوجاتا ہے۔ تو اس کو کسی دوسری لذت کی طرف مطلقاً التفات نہیں رہتی۔ اور جو شخص اس سے بے نصیب رہتا ہے۔ وہ بدترین زندگی اور ذلتِ روحانی میں عمر بسر کر دیتا ہے۔ اسی لذتِ محبت کی نسبت کسی عارف کا قول ہے کہ اگر اہل جنت کو بھی لذت نصیب ہوگی۔ تو بخدا وہ نہایت پاک زندگی میں ہوں گے اور اسی لذت کی نسبت حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے۔ کہ اگر سلاطین دنیا کو اس لذت کا کچھ بھی علم ہوجاتا۔ تو وہ اہل عرفان کے ساتھ تلواروں سے جنگ کرنے لگتے اور غور کرو۔ کہ جیسے نفسانی لذتوں کا عاشق اور طلاء ذو محبت باطلہ میں یہ لطف پاتا ہے جس کی نسبت ایک عاشق کا قول ہے سہ

وما الناس الا العاشقون ذوا الھوے

فلا خیر فی من لا یحب و یعشق

لَوْ طَهُرَتْ قُلُوْبُنَا لَمَا شَبِعَتْ مِنْ كَلَامِ اللّٰهِ یعنی اگر ہمارے قلوب پاک ہوتے۔ تو وہ کبھی کلام الٰہی سے سیر نہ ہوتے۔ اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی۔ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن شریف سُنا کرتے۔ چنانچہ ایکدن حضور نے ان سے پڑھنے کو کہا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قرآن مجید حضور پر تو نازل ہوا ہے۔ پھر میں کیا سناؤں؟۔ فرمایا کہ میں غیر سے سُننا چاہتا ہوں۔ ابن مسعودؓ نے سورۂ نسا پڑھنا شروع کی۔ جب اس آیت پر پہنچے۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا یعنی کیسے ہوگا حال اس وقت جبکہ ہم ہر ایک اُمت میں سے اس امت کے لئے گواہ طلب کرینگے۔ اور تمہیں ان سب پر مقامِ شہادت پر لائینگے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ بس۔ یہ فرما کر سر مبارک اوپر کو اُٹھایا۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ یہی حال جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا۔ جب وہ جمع ہوتے۔ تو ابو موسیٰ اشعریؓ سے قرآن مجید سننے کی التجا کیا کرتے؛

سو قرآن مجید سے محبت رکھنے والوں کو ایک گونہ وجد اور ذوق اور لذت اور حلاوت حاصل ہوتی ہے۔ جو راگ سننے والوں کی لذت سے کہیں بہت زیادہ ہوا کرتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص شعر یا غزل سننے پر وجد و سرور میں آتا ہے۔ اور قرآن مجید کے آیات سنکر اس کو حظ حاصل نہیں ہوتا۔ تو یقیناً اس کا قلب محبت الٰہی سے خالی ہے اور اسکو محبت اور اہل محبت سے کچھ تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق راگ اور مُغنی اور شیطان کے ساتھ ہے۔ گو وہ اپنی جگہ مدعی محبت ہو۔ کیونکہ کلام ربانی اور کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو حلاوت و سرور رکھا ہے۔ کسی چیز میں نہیں۔ سو اگر حقیقی طور پر محبت کا لفظ کہیں اطلاق پاسکتا ہے تو وہ صرف محبت الٰہی اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ یا ان چیزوں کی محبت جو محبت الٰہی کے لئے بمنزلۂ اسباب کے ہیں۔ اور باقی سب کچھ لغو ہے؛

فصل

رہا عورتوں کی محبت کا معاملہ سو شرعاً اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں (میں کہتا ہوں کہ شریعت کا کوئی حکم عقل انسانی کے منافی نہیں۔ اسلئے عورتوں کی محبت بھی منافی عقل نہیں) یہ امر محبّ کے کمال نفس پر دلالت کرتا ہے۔ غور کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو کلام میں بطورِ اظہارِ احسان ارشاد فرمایا ہے۔ وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً یعنی اللہ تعالیٰ کے آیاتِ قدرت کاملہ میں سے ایک امر یہ ہے۔ کہ اسنے تمہارے فائدے کے لئے تم ہی سے جوڑے پیدا کئے۔ تاکہ تم ان کی طرف میلان کرو۔ اور آرام پکڑو۔ اور اسنے تمہارے جوڑوں میں اُلفت و مہربانی کے تعلقات قائم کر دیئے۔ اس آیت میں عورت کو مرد کے لئے موجبِ آرام و راحت بیان کیا ہے۔ کیونکہ مرد اپنی طبعی میلان کی وجہ سے اسکے ساتھ اُلفت پذیر ہوتا ہے۔ اور اس میں بیشمار تمدنی۔ اخلاقی۔ رُوحانی منافع مشاہدہ کرتا ہے۔ چنانچہ اس امر کا ذکر کرنے کے بعد ان عورتوں کا ذکر فرمایا۔ جو مرد کے لئے حلال و حرام ہو سکتی ہیں۔ اور پھر فرمایا۔ یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَیَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَیَتُوْبَ عَلَیْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ تمہارے لئے احکام کو کھول کر بیان فرمائے اور تمہیں تم سے گذشتہ اُمتوں کے طریق کی ہدایت کرے۔ اور تمہاری توبہ کو قبول فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والا بڑی حکمت کا مالک ہے ٭

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ مقدس اسلام وہی احکام پیش کرتا ہے۔ جو شروع فطرت بنی آدم سے انسانی ترقی اور تہذیب کے لئے مقرر ہیں۔ اور پھر میں فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ ضَعِیْفًا یعنی انسان کمزور فطرت کا مخلوق ہے۔ کیونکہ

کیا کرتے ہیں۔ اور جنہیں آپکی خوبیاں عیب ہو کر نظر آتی ہیں۔ ذرا انصاف سے کام لیں۔ اور غور کریں۔ کہ آیا کوئی شخص جو حفظِ نفسانی کا پابند ہو۔ وہ قضائے شہوت کے لئے ایسی ہی عورتیں ڈھونڈا کرتا ہے۔ جو دو دو تین تین خاوندوں سے علیحدہ ہوئی ہوں۔ اور شباب کے دن گذار چکی ہوں۔ چونکہ جائز طریق پر عورت سے اختلاط کرنا بہت سی اخلاقی اور تمدنی خرابیوں کو روک دیتا ہے۔ اس لئے مختلف حالات کے رو سے اسلام نے عیسائی مذہب کی طرح نکاح ثانی یا ثالث یا رابع کی ممانعت نہیں کی۔ افسوس کہ جو امر خوبی کا ہے۔ ملاحدہ کی نظروں میں برائی ہو کر نظر آتا ہے۔ ع

چشمِ بد اندیش کہ برکندہ باد ؛ عیب نماید ہنرش در نظر

(ہم اس موضوع پر کچھ زیادہ لکھتے۔ مگر افسوس کہ یہ محل تفصیل کا مقتضی نہیں)

فصل

مذکورہ بالا حکمت کو مدنظر رکھکر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمُ النِّسَاءُ وَالطِّیْبُ وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ

یعنی دنیا کی چیزوں میں سے مجھے عورتیں اور بوئے خوش محبوب و مرغوب ہیں۔ اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ غور کر کے دیکھو۔ کہ یہ ہر سہ اشیا روح کی لطافت میں کس قدر دخل رکھتی ہیں۔ اور پاک فطرت آدمی کس قدر ان ہر سہ سے مستفید ہونے کی خواہش رکھتا ہے۔ حضور علیہ السّلام کے اس میلانِ ازدواج پر یہود اعداء اللہ نے طعن کیا۔ کہ انہیں (پیغمبر خدا علیہ السلام کو) نکاح ہی کا معاملہ مدنظر رہتا ہے۔ اور یہی ان کا مقصدِ اہم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے زعمِ باطل کو یوں رد فرمایا۔ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ الاٰیۃ

یعنی ان نابکاروں سے اور تو کوئی بات نہیں بن پڑتی۔ ہاں حسد کی آگ ان کے دلوں